2008

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

تین کا طوفان

اشتیاق احمد

ایک حدیث

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ جب کوئی قضیہ تمہارے
سامنے پیش آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق
فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو، تو عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنت سے کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ اور
سنت دونوں میں نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اپنی رائے سے اجتہاد و استنباط کروں گا
اور (حق تک پہنچنے کی کوشش میں) کوتاہی نہیں کروں گا، اس پر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے (فرط مسرت سے) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر اپنا
دست مبارک مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اللہ کے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کے اس قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا
رسول راضی ہے۔''

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔
☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور
دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

السلام علیکم! یہ تین کا طوفان ہے... اس طوفان سے نمٹنے کی تیاری کرلیں... یہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیار ہے... دیکھنا یہ ہے کہ یہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے یا آپ اسے سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

مقابلے کی کیفیت اگر ناول کے آخر تک جاری رہتی ہے تو نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے، میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کروں گا... کیونکہ ایک لکھنے والے کی اصل کامیابی بھی ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو جکڑ لے اور انہیں ادھر ادھر نہ جانے دے۔

انکارہ مشن کے بعد تین کا طوفان اور اس کے بعد خلا کا ہنگامہ، یہ تین خاص نمبر فاروق احمد صاحب کی خاص دلچسپی کی بنا پر آپ تک پہنچنے کے قابل ہو رہے ہیں۔ ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ اب خاص نمبروں کا دور گیا... ایک تو مہنگائی نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے... دوسری طرف ان گنت بلاؤں نے کتابوں کا مستقبل تاریک کر کے رکھ دیا ہے... بھلا ان حالات میں کوئی خاص نمبر شائع کرنے کی ہمت کرے تو کیسے... لیکن فاروق صاحب کی بات سن کر اس وقت مجھے بہت حیرت ہوئی تھی... جب انہوں نے کہا کہ ایک بار پھر خاص نمبر کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے... میں تو خود یہ چاہتا تھا، لہٰذا فوراً حامی بھر لی... اور اس طرح یہ دوسرا خاص نمبر... یعنی نئے سرے سے خاص نمبروں کا سلسلہ شروع ہونے کے اعتبار سے دوسرا خاص نمبر آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور آئندہ ماہ آپ ان شاء اللہ خلا میں ہنگامہ پڑھیں گے...

بہتر ہوگا کہ آپ انکارہ مشن کے بارے میں اپنی رائے بھی لکھ دیں تاکہ ناولوں کے آخر میں شائع کر دیے جائیں... اور ایک پرانا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے جب آپ دھڑا دھڑ اخط لکھا کرتے تھے اور ناولوں کے آخر میں چھپا کرتے تھے... اب چونکہ خاص نمبر کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تو ہر چیز پھر سے کیوں نہ شروع کر دی جائے...

بہت لوگ فون پر اور خطوط پر شکایت کرتے نظر آ رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اٹلانٹس والوں نے کتابوں کی قیمت بہت بڑھا دی ہے... پہلے قیمت 29 روپے تھی... 29 سے تیس ہوئی... پھر چالیس اور اب 60 روپے... اس نسبت سے اب سننے میں آ رہا ہے کہ خاص نمبر کی قیمت 180 روپے ہو گی۔

اس میں شک نہیں... یہ قیمتیں بہت زیادہ ہیں... آسمان کو چھوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں... لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں... غور کریں کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو آج کل آسمان کو نہیں چھو رہی ہیں... اب تو سبھی چیزوں کے بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ بس انسان زمین پر رہ گئے ہیں... اس لیے بھاؤ انسانی پہنچ سے باہر ہو چلے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب میں نے سب سے پہلی چار کتابیں شائع کی تھیں... غالباً یہ بچے خطرناک ہیں، کان کا راز وغیرہ... اس سے پہلے فیروز سنز اور شیخ غلام اینڈ سنز میرے ناول شائع کر چکے تھے... ایک دو اور غیر معروف اداروں نے بھی دس بارہ ناول شائع کیے تھے... ان سب کی قیمت اس وقت ساڑھے تین یا چار روپے تک رکھی جاتی تھی۔ میں نے اپنے ادارے میں بھی یہی قیمت رکھی... ناولوں کا سلسلہ آگے بڑھا اور کاغذ کی قیمت کچھ زیادہ ہو گئی تو ناولوں کی قیمت غالباً چھ روپے تک پہنچ گئی... انہی دنوں سب سے پہلا خاص نمبر جیرال کا منصوبہ شائع کیا... یہ ساڑھے تین سو صفحات کا ناول تھا اور قیمت غالباً 12 یا 18 روپے رکھی گئی تھی... دھڑا دھڑ بکا تھا... فروخت کے ریکارڈ قائم کیے تھے... اس خاص نمبر کی شاندار کامیابی کی وجہ سے ہی خاص نمبروں کی اہمیت شروع ہوئی تھی... گویا سلسلہ چل نکلا... اور پھر ملا شاکا زلزلہ، وادی دہشت، کالا شیطان، شیطان کے پجاری، اغوا کی موت، جھیل کی موت، دنیا کے قیدی، دلدل کا سمندر، جزیرے کا سمندر، بیگال مشن، ثرابتائے مہم، سی مون کی واپسی، باطل قیامت، سنہری چٹان جیسے خاص نمبر شائع ہوئے... سنہری چٹان تو 1400 صفحات کا تھا، لیکن قیمت کے اعتبار سے پچاس ساٹھ روپے سے زیادہ کے

نہیں تھے۔

قیمتیں کاغذ کے اعتبار سے آہستہ آہستہ بڑھتی تھیں... اس پر بھی قارئین سے معذرت کی جاتی تھی... آج کے دور کے حساب سے چیزوں کی قیمتیں کبھی بھی نہیں بڑھی تھیں... اب جس حساب سے چیزوں کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں، اسی حساب سے کتاب کی قیمت بھی پر لگا کر آگے جا رہی ہے...

ان حالات میں میں فاروق احمد صاحب سے کیا کہہ سکتا ہوں... اور آپ کو کیسے مطمئن کر سکتا ہوں... یہ بات نہ سمجھنے کی ہے، نہ سمجھانے کی... لہٰذا جیسے تیسے ناول پڑھیے اور بس...

اشتیاق احمد

تین رے تین

انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کسی نہ گھبرائی ہوئی آواز میں کہا:

''آپ انسپکٹر جمشید ہی ہیں نا۔''

'السلام علیکم۔'' اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے انہوں نے پہلے سلام کہنا پسند کیا۔

''جی... وعلیکم السلام۔''

''اب فرمائیے... میں انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔''

''میں اپنے شہر چاٹ گام سے تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا ہوں... ہوٹل امبرا کے کمرہ نمبر 302 میں ٹھہرا ہوا ہوں... کچھ لوگ میرے شہر میں مجھے قتل کرنے کی کوشش کرتے

رہے ہیں... میں نے ایک دوست سے مشورہ کیا... انہوں نے مجھے آپ کا نمبر اور پتا دیا... وہ آپ سے اچھی طرح واقف ہیں اور آپ سے ان کی علیک سلیک بھی ہے... اس سے پہلے میں اپنے شہر میں پولیس کے علم میں یہ معاملہ لا چکا ہوں، لیکن پولیس کوئی توجہ دینے کے لیے تیار نہیں... اس لیے کہ میں کوئی مشہور آدمی تو ہوں نہیں... نہ سیاست دان ہوں... لہٰذا وہ اس وقت تک حرکت میں آنے کے لیے تیار نہیں... جب تک کہ کچھ ہو نہ جائے... بھلا اس صورت میں مجھے ان کے حرکت میں آنے کا کیا فائدہ ہوگا بھلا۔ اس لیے میں اپنے دوست کے مشورے پر یہاں آ گیا ہوں... لیکن میں نے براہ راست آپ کے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا... اس لیے پہلے ہوٹل میں کمرہ لیا... پھر آپ کو فون کیا... یہ ہے میری کہانی۔''

''اس دوست کا نام کیا ہے... جنہوں نے میرا پتا آپ کو دیا۔''

''جی آثم غوری۔''

''اوہ اچھا... وہ جو جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کرتے رہتے ہیں... اور ان کا دعویٰ ہے کہ ایک دن وہ مسلمانوں کے

لیے بہت ہی مفید ادویات دریافت کر کے رہیں گے... ایسی ادویات کہ اگر مسلمان ان ادویات کو استعمال کر لیں تو کسی میدان میں ناکام نہیں ہوں گے... آپ کا نام؟''

''میں فواد گیلانی ہوں... چاٹ گام کے راجہ بازار 56 میں رہتا ہوں۔''

''اس وقت تو آپ کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہے۔''

''ہاں کیوں نہیں... میں نے ہوٹل کے باہر ان کی جھلک دیکھ لی ہے... وہ تین ہیں... میں انہیں پہچانتا ہوں... میرے شہر میں بھی یہ میرے آس پاس منڈلاتے رہے ہیں...''

''انہوں نے وہاں حملہ کیا تھا کوئی۔''

''تین بار... لیکن تینوں بار اللہ کی مہربانی سے ناکام رہے...''

''اس صورت میں تو آپ انہیں گرفتار کرا سکتے تھے۔''

''میں نے بتایا نا... پولیس کوئی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں... میں کوئی دولت مند آدمی نہیں ہوں... نہ کوئی سیاست دان ہوں۔''

''اس کے باوجود... اس صورت میں کہ آپ پر وہ

تین مرتبہ فائرنگ کر چکے ہیں... آپ انہیں پہچانتے بھی ہیں... آپ کی رپورٹ پر پولیس کو حرکت میں آنا چاہیے تھا... حیرت ہے... وہ کیوں حرکت میں نہیں آئی۔''

''اس سوال کا جواب تو پولیس ہی دے سکتی ہے۔''

''اچھی بات ہے... میں آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آرہا ہوں... اگرچہ یہ معاملہ مجھ سے متعلق نہیں... عام پولیس کیس ہے... اور اگر میں چاہوں تو آپ کی طرف اسی وقت پولیس کو بھجوا سکتا ہوں... آپ کی نشان دہی پر ان تینوں کو گرفتار بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''لیکن میں چاہتا ہوں... آپ ہی اس معاملے کو دیکھیں۔''

''خیر... میں دیکھ لیتا ہوں... سوال تو یہ ہے کہ آپ مجھ ہی سے یہ کام کیوں لینا چاہتے ہیں۔''

''آپ کی مدد کے بغیر یہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔''

''اچھی بات ہے... میں آرہا ہوں... آپ مجھے ان تینوں کو دکھا سکیں گے۔''

''جی ہاں! وہ اس وقت بھی ہوٹل کے باہر موجود

ہیں۔''

''اچھی بات ہے... میں پندرہ منٹ تک آپ کے پاس آتا ہوں۔''

فون بند کر کے وہ گھر سے نکل آئے... اس وقت محمود، فاروق اور فرزانہ گھر میں نہیں تھے... یوں بھی... ان کے خیال میں وہاں ان تینوں کا کوئی کام نہیں تھا... وہ تینوں فرزانہ کی ایک سہیلی کے گھر گئے ہوئے تھے... سہیلی نے ان تینوں کی دعوت دے رکھی تھی... لہٰذا ان کی جلد واپسی کا امکان نہیں تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ کمرہ نمبر 302 کے دروازے پر دستک دے رہے تھے... دروازہ اندر سے بند تھا... انہوں نے تین بار دستک دی... لیکن اندر سے نہ کوئی جواب ملا اور نہ کوئی آہٹ ہی سنائی دی...

انہوں نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی... لیکن سوراخ بند تھا... اب انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر کا رخ کیا... وہاں موجود کلرک سے انہوں نے کہا:

''مجھے کمرہ نمبر 302 کے مسافر سے ملنا ہے... میں نے دستک دی ہے، لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں مل رہا... اندر

ضرور کوئی گڑ بڑ ہے... کیونکہ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی
زندگی کو خطرہ ہے...''

''کیا مطلب... کیا آپ مسٹر فواد گیلانی کی بات کر
رہے ہیں۔'' کلرک چونکا۔

''جی ہاں! انہوں نے یہی نام بتایا تھا۔''

''میں ایک بیرے کو چابی دے کر آپ کے ساتھ بھیج دیتا
ہوں... وہ دروازہ کھول دے گا... پھر آپ صورت حال دیکھ
کر مجھے فون کر دیجیے گا... ضرورت ہوگی تو میں اور بیرے بھیج
دوں گا۔''

''شکریہ!'' وہ بولے۔

اب وہ بیرے کے ساتھ اوپر آئے... اس نے
دروازہ کھول ڈالا... انہوں نے دیکھا کمرے میں کوئی نہیں
تھا...

''وہ یہاں نہیں ہیں... اس کا مطلب ہے...''
بیرے کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت غسل خانے کا
دروازہ کھلا اور ایک درمیانے قد کا ایک آدمی باہر نکل آیا تھا۔

''لیجیے... یہ رہے مسٹر فواد گیلانی۔''

''آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھولا۔'' انسپکٹر جمشید نے
بڑا سامنہ بنایا۔

''میں خوف زدہ تھا... کہ کیا پتا... دروازے پر
دستک دینے والے وہی تینوں ہوں۔''

''ہوں... اچھا خیر... اب دکھائیے... وہ تینوں
کہاں موجود ہیں۔''

''آئیے دکھاتا ہوں۔'' وہ انہیں برآمدے کی کھڑکی
تک لے آیا... کھڑکی سے کار پارکنگ کی جگہ صاف نظر آ رہی
تھی۔

''وہ دیکھیے... نیلے کپڑوں میں تین نوجوان کھڑے
آپس میں باتیں کر رہے ہیں...''

''ہاں! ٹھیک ہے... میں نے انہیں دیکھ لیا... کیا
آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں... ان تینوں نے آپ پر حملہ کرنے کی
کوشش کی تھی۔'' انہوں نے کہا۔

''میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انہوں نے حملہ کرنے کی
کوشش کی تھی... بلکہ یہ کہا تھا کہ انہوں نے تین بار مجھ پر حملہ کیا
ہے... یہ اور بات ہے کہ میں تینوں مرتبہ بچ گیا ہوں...''

''اوہ اچھا... ایک منٹ ٹھہریں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے فوراً اکرام کے نمبر ملائے... اور بولے:

''ہاں اکرام... کہاں ہو؟''

''ہوٹل امبرا کے باہر۔''

''کار پارک میں تین نوجوان نیلے لباس میں کھڑے ہیں... انہیں روک لو... میں نیچے آرہا ہوں۔''

''اگر وہ روکے جانے پر اعتراض کریں سر؟''

''کہہ دینا... ایک صاحب نے آپ کے خلاف شکایت کی ہے... اور یہ کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔''

''اچھی بات ہے سر۔''

اور پھر انہوں نے اکرام اور اس کے ماتحتوں کو پارک میں داخل ہوتے دیکھا۔ جلد ہی وہ ان تینوں کے قریب کھڑے نظر آئے... اب انہوں نے فواد گیلانی سے کہا:

''میں ان تینوں سے ملاقات کے لیے نیچے جا رہا ہوں... آپ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیں۔''

''ٹھیک ہے، لیکن آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔'' اس کے

لہجے میں الجھن تھی۔

''بس دیکھتے جائیں... میں ابھی واپس آؤں گا۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور انہوں نے فوراً نیچے کا رخ کیا... وہ ان کے نزدیک پہنچے تو تینوں تیز لہجے میں اکرام سے جھگڑ رہے تھے:

''لیجیے... آگئے میرے آفیسر... اب جو کہنا ہے، ان سے کہہ لیں۔''

''کیا ہوا اکرام!'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''یہ ذرا گرمی دکھا رہے تھے۔''

''آپ تینوں مسٹر فواد گیلانی کو جانتے ہیں۔''

''فواد گیلانی... کون فواد گیلانی۔'' ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... بالکل ایک آواز میں نکلا۔ یوں محسوس ہوا جیسے تین نہ بولے ہوں... ایک بولا ہو۔

''اس ہوٹل کے کمرہ نمبر 302 میں ٹھہرے ہوئے ہیں... ان کا الزام ہے کہ آپ نے ان پر تین مرتبہ قاتلانہ حملہ کیا ہے۔''

''کیا!!!'' وہ پھر ایک ساتھ بولے۔

''آپ میں سے ایک وقت میں ایک بات کرے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

''کیا مطلب... کیا کیسے ہوسکتا ہے۔''

''یہ کہ ہم میں سے ایک وقت میں ایک بات کرے۔''

یہ جملہ بھی ان تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس مرتبہ انسپکٹر جمشید مارے حیرت کے بولے۔

''ہم تین نہیں... ایک ہیں۔''

''آپ تین عدد ہیں... اور فضول باتوں میں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں... آپ کو اس ہوٹل کے کمرہ نمبر 302 میں چلنا ہے... وہاں مسٹر فواد گیلانی موجود ہیں... آپ کی موجودگی میں ان کا بیان لیا جائے گا...''

''ہم نہیں جانتے... فواد گیلانی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''آپ ہمارے ساتھ چلیں... اکرام انہیں اوپر لے آؤ۔''

''یہ اچھی زبردستی ہے۔'' انہوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے تنی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور اوپر جانے کے لیے گھوم گئے... آخر وہ کمرے نمبر 302 کے دروازے پر پہنچ گئے، انہوں نے مڑ کر دیکھا... اور دروازے پر دستک دے ڈالی...

''کون؟'' اندر سے پوچھا گیا۔

''انسپکٹر جمشید۔''

''کیا آپ انہیں لے آئے؟''

''آرہے ہیں... ایک دو منٹ تک آجائیں گے... آپ دروازہ کھول دیں۔''

''دیکھ لیں... کہیں وہ مجھ پر حملہ نہ کر دیں۔''

''ان شاء اللہ! ایسا نہیں ہوگا۔''

''اچھا! میں دروازہ کھول رہا ہوں۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا... عین اس وقت وہ لوگ لفٹ سے نکلتے نظر آئے:

''آگئے وہ لوگ۔''

''ہوشیار... خبردار... کہیں یہ مجھ پر فائرنگ نہ کر دیں۔''

"گھبرانے کی ضرورت نہیں..." انہوں نے بڑا سا منہ بنایا۔

پھر وہ کمرے میں آ گئے... ان تینوں کو بھی لے آیا گیا... اکرام کے ماتحت کمرے کے دروازے پر چوکس کھڑے ہو گئے:

"ہاں! اب بتایئے... آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ان تینوں نے مجھ پر تین بار حملہ کیا... یعنی تین بار فائرنگ کی... لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا... اس کے بعد بھی انہوں نے میرا تعاقب جاری رکھا... آخر میں یہاں آ گیا... تاکہ اس معاملے میں آپ سے مدد لے سکوں... یہاں آکر میں نے اس ہوٹل کا یہ کمرہ لے لیا۔ میں نے جب کھڑکی کے ذریعے باہر کا نظارہ کیا تو یہ نیچے کھڑے نظر آئے... بس میری سٹی گم ہو گئی... اور میں نے آپ کو فون کر ڈالا۔"

"اور آپ کو میرے پاس آنے کا مشورہ میرے کسی واقف آثم غوری نے دیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"او کے... ہاں! اس بارے میں تم کیا کہتے ہو۔"

"ہم تو انہیں جانتے تک نہیں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"پھر نیچے کیوں کھڑے تھے... کہاں رہتے ہو۔"

"بالم پور... سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں... اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر دو سو میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" وہ تینوں بولے۔

"تم میں سے ایک وقت میں ایک بات نہیں کر سکتا۔" وہ جھلا اٹھے۔

"نہیں!" وہ بولے۔

"آپ کے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت ہے۔" انہوں نے کہا۔

"نہیں۔" فواد گیلانی نے انکار میں سر ہلایا۔

"ان حالات میں ہم انہیں گرفتار نہیں کر سکتے... البتہ آپ کی حفاظت کا انتظام کر دیتے ہیں... کیا آپ کو یہ بات منظور ہے۔"

"لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا... آثم غوری نے تو کہا تھا..."

''انہوں نے اپنے حساب سے ٹھیک کہا تھا... لیکن یہاں مسئلہ ہے قانون کا... آپ کو چاہیے تھا، اپنے شہر میں ان کے خلاف رپورٹ درج کرا دیتے۔''

''میں نے رپورٹ درج کرائی تھی... لیکن رپورٹ کے بعد انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا... پریشان ہو کر میں ادھر آ گیا...''

''خیر آپ پریشان نہ ہوں... ہم آپ کی حفاظت کے سلسلے میں لاپروائی نہیں کریں گے۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

''اکرام... تم اپنے دو آدمی ان کے دروازے پر مقرر کر دو... یہ نیچے جائیں... تو وہ دونوں بھی ان کے ساتھ نیچے جائیں... ہوٹل سے باہر جائیں تو وہ ان کے ساتھ باہر جائیں۔''

''لل... لیکن سر۔'' اکرام نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں جانتا ہوں... تم کیا کہنا چاہتے ہو... لیکن میں جو کہ رہا ہوں... تم وہ کرو۔''

''او کے سر۔'' اس نے فوراً کہا۔

''آپ تینوں جا سکتے ہیں... اور اگر انہیں کچھ ہوا تو آپ سے سخت تفتیش کی جائے گی۔''

''ہم نے کچھ نہیں کیا۔''

''اچھا اکرام انہیں جانے دو۔''

انہیں جانے کا اشارہ کر دیا گیا... وہ بُرے بُرے منہ بناتے چلے گئے... اب انسپکٹر جمشید نے فواد گیلانی سے کہا:

''آپ کرتے کیا ہیں۔''

''میرا ایک چھوٹا سا کاروبار ہے... ریڈی میڈ ملبوسات کا۔''

''ان تینوں کو بھلا آپ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔''

''میں تو انہیں جانتا تک نہیں... کیا کہ سکتا ہوں کہ انہیں کیا دشمنی ہے۔''

''ہوں... یہ معاملہ کچھ عجیب سا ہے... پھر ان تینوں کا ایک ساتھ بولنا بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا... ارے ہاں... اکرام تم ایک سادہ لباس والے کو ان کی نگرانی پر لگا دو تا کہ ہم جان سکیں... وہ آپس میں بات چیت کیسے کرتے ہیں... یا اس وقت بھی تینوں ایک ساتھ بولتے ہیں... یا الگ الگ۔''

''او کے سر۔'' اس نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے واپس لوٹ آئے... اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ گھر آ چکے تھے... ان کی سوالیہ نظریں ان پر جم گئیں۔

''عجیب سا کیس ہے... ابھی تک کچھ بھی سمجھ میں نہیں آسکا... نہ اس کیس کا تعلق فی الحال ہمارے محکمہ سے نظر آتا ہے... تاہم میں چلا گیا تھا... کیونکہ درمیان میں میرے ایک واقف کا حوالہ دیا گیا تھا۔''

''مہربانی فرما کر تفصیل سنا دیں۔''

''ہاں ضرور... کیوں نہیں۔''

انہوں نے تفصیل سنا دی... پھر انہیں ایک خیال آیا۔ انہوں نے آثم غوری کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا:

''آثم غوری صاحب! انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں...''

''بہت دنوں بعد آپ کی آواز سنی۔''

''شکریہ! آپ کسی فواد گیلانی کو جانتے ہیں۔''

''نہیں تو... یہ کون ہیں؟'' آثم غوری نے چونک کر کہا۔

''کیا!!!''

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

☆☆☆☆☆

واردات

چند لمحے دونوں طرف خاموشی طاری رہی ، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''اس کا مطلب ہے، آپ کسی فواد گیلانی کو نہیں جانتے۔''

''نہیں! میں تو یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''یہاں ہمارے شہر میں اس نام کے ایک شخص نے مجھے فون کیا تھا... آپ کا نام لیا تھا کہ آپ نے انہیں مجھ سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا ہے... سو میں ان کی مدد کی نیت سے ان کے پاس چلا گیا تھا... ان کا مسئلہ بہت پراسرار سا ہے... مجھے خیال آیا... آپ سے تصدیق کرلوں... معلوم ہوا... اس نے

غلط بیانی کی تھی... خیر میں دیکھ لوں گا۔''

یہ کہ کر انہوں نے فون بند کر دیا... اور پھر ہوٹل امبرا فون کر کے کمرہ نمبر 302 سے بات کرانے کے لیے کہا... دوسری طرف سے بتایا گیا... کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا... شاید وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ اب انہوں نے سادہ لباس والے کے نمبر ڈائل کیے، سلسلہ فوراً مل گیا:

''کمرہ نمبر 302 کے فواد گیلانی کی کیا رپورٹ ہے۔''

''وہ بدستور اپنے کمرے میں ہے... کہیں نہیں گیا۔

''لیکن وہ فون نہیں سن رہا... اس کے دروازے پر دستک دیں... اور دیکھیں کیا ماجرا ہے۔''

''او کے سر... آپ فون آن رکھیں۔''

اور پھر انہوں نے دستک کی آواز سنی... مسلسل دستک کے بعد سادہ لباس والے نے کہا:

''آپ سن رہے ہیں... دروازہ نہیں کھل رہا...''

''ہوٹل کی انتظامیہ کو بلا لو... اور دروازہ کھلواؤ۔''

''او کے سر''

انہوں نے فون بند کر دیا اور دوسرے سادہ لباس

والے کو فون کیا... سلسلہ فوراً ملا، انہوں نے کہا:

''ان تینوں کی کیا رپورٹ ہے۔''

''اپنے کمرے میں ہیں سر۔''

''دستک دے کر ان سے بات کرنے کی کوشش کریں... پھر میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

''جی بہتر۔ کیا میں فون آن رکھوں۔''

''ہاں!'' انہوں نے فوراً کہا۔

اب انہوں نے اس طرف بھی دستک کی آوازیں سنیں... آخر دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی... اور ان تینوں کی آواز سنائی دی:

''یس... ہم آپ کے کس کام آسکتے ہیں۔''

''ایک منٹ۔'' سادہ لباس والے نے ان سے کہا، پھر فون میں بولا:

''جی... یہ موجود ہیں... کیا کرنا ہے۔''

''ایک منٹ...''

اب انہوں نے پھر پہلے والے سے پوچھا:

''فواد گیلانی کا دروازہ کھلا یا نہیں۔''

''ابھی تک تو انتظامیہ کا کوئی آدمی نہیں پہنچا سر۔''

''اچھی بات ہے... جونہی دروازہ کھلے... فون

ا۔''

''او کے سر۔''

اب انہوں نے دوسرے سے کہا:

''انہیں بتاؤ... فواد گیلانی کے دروازے پر بدستور

دی جا رہی ہے... لیکن دروازہ نہیں کھل رہا... خیال

... اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے... اگر ایسی کوئی بات

تو ان کے دروازے پر دوبارہ دستک دی جائے گی... لہٰذا

آرام کریں... اور دروازہ اندر سے بند کر لیں، فی الحال

ادھر آنے جانے کی کوشش نہ کریں۔''

''جی بہتر! اگر یہ کہیں جانے کی کوشش کریں تو انہیں

لیا جائے۔''

''ہاں! روک لیا جائے۔''

''بہت بہتر۔''

پھر کچھ دیر بعد پہلے سادہ لباس والے کا فون ملا۔ وہ تھر

پتی آواز میں کہہ رہا تھا:

''سر... سر... اندر اس کی لاش موجود ہے...

قتل کر دیا گیا ہے۔''

''کیا کہا... یہ کیسے ہو سکتا ہے... کیا اس سے

آیا تھا۔''

''جی... جی ہاں... ایک صاحب ملنے آئے

کوئی ایک گھنٹا اندر رہے تھے... پھر کمرے سے نکل کر

تھے۔''

''اس کی نگرانی کی گئی؟''

''جی ہاں! میرا ساتھی اس کے تعاقب میں چلا گ

ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ پھر دروازہ اندر سے بند کی

تھا۔''

''اس کا صرف ایک ہی جواب ہے... قاتل

ساتھ لے کر نکلا تھا... اور جب اس نے دروازہ بند کیا تو

ہی اس نے چابی گھما دی اور چابی نکال کر جیب میں

لی... میں اس وقت برآمدے میں تھا... اس قدر قریب

تھا کہ اس کی یہ حرکت نوٹ کر سکتا... یوں بھی وہ شخص ا

ے تو تھا نہیں کہ میں چوکنا ہو جاتا۔''

''خیر کوئی بات نہیں... تم فون پر اپنے... بلکہ مجھے اس

کوبر نوٹ کرا دو، میں خود بات کر لیتا ہوں... یہ لوگ اب کیا

ر ہے ہیں۔''

''انہوں نے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا

... دوسرے یہ کہ ہوٹل کا سراغرساں بھی پہنچ گیا ہے...

''ٹھیک ہے... میں آ رہا ہوں... اتنا اور بتا دو

قتل کس طرح کیا گیا ہے۔''

''لاش کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے... نہ گلا گھونٹنے کے

ر ہیں... لگتا ہے... جسم میں زہر داخل کیا گیا ہے...

کہ جسم بہت تیزی سے نیلا ہو رہا ہے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... میں آ رہا ہوں۔''

اب انہوں نے دوسرے سادہ لباس والے کو فون کیا

اور بولے:

''کمرہ نمبر 302 کے مسافر فواد گیلانی کو ہلاک کر دیا

ہے۔''

''کیا!!!'' اس کے منہ سے نکلا۔

”یہ خبر ان تینوں کو سنا دو... اور یہ کہ کمرے سے
ادھر ادھر کہیں بھی نہ جانے پائیں۔“

”او کے سر... آپ فکر نہ کریں۔“

اب انہوں نے اس سادہ لباس والے کو فون کیا
قاتل کے تعاقب میں گیا تھا، لیکن اس کا فون بند ملا...
انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا:

”تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے... یا آرا
گے۔“

”آرام کا ہماری زندگیوں میں کیا کام۔“ فارو
جلدی سے کہا۔

وہ مسکرا دیے... پھر چاروں اپنی کار میں ہوٹل
پہنچے... کار کو پارک کیا اور اوپر آ گئے... کمرہ نمبر 302
سامنے اب پولیس موجود تھی... سادہ لباس والا انہیں دیکھ
کی طرف لپکا:

”اس میں شک نہیں سر کہ قتل زہر سے ہوا ہے...
قاتل وہی تھا... جو ملنے کے لیے آیا تھا۔“

”ہوں! اس نے نیچے کاؤنٹر پر اپنا نام پتا کیا

تھا۔“

”رضا طالب۔“

”شناختی کارڈ پر یہی نام لکھا تھا... یا ان لوگوں نے شنا
ختی کارڈ دیکھا ہی نہیں۔“

”یہ پوچھنا پڑے گا۔“

”پوچھ لو...“ یہ کہ کر وہ کمرے کی طرف بڑھے...
اس وقت تک بلائے گئے کچھ پولیس آفیسر کو ان کی آمد کا علم ہو چکا
تھا... لہٰذا وہ پہلے ہی ان کے لیے راستہ چھوڑ چکا تھا۔

”آئیے... مجھے نہیں معلوم تھا... یہ کیس آپ سے
متعلق ہے۔“

”کوئی بات نہیں... مقتول نے کچھ ہی دیر پہلے مجھ سے
رابطہ کیا تھا... میں نے یہاں آ کر اس سے ملاقات کی تھی...“

”اوہو اچھا۔“ پولیس انسپکٹر کے لہجے میں حیرت در
آئی۔

”جی ہاں! اس کا کہنا تھا... تین آدمی اسے ہلاک
کرنے کی تین بار کوشش کر چکے ہیں... اور یہ کہ وہ شہر چاٹ گام
کے رہنے والے ہیں... وہیں اس پر ان تینوں نے حملے کیے تھے

لیکن وہ بچ گیا تھا۔ اب وہ یہاں اسی سلسلے میں آیا تھا... کسی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ مجھ سے رابطہ کرے... سو اس نے یہاں آ کر مجھ سے فون پر رابطہ کیا، میں یہاں آیا تو اس نے ان تینوں کی صورتیں بھی مجھے دکھائی تھیں... وہ نیچے کار پارک میں کھڑے تھے۔''

''اوہو اچھا۔'' انسپکٹر نے اور زیادہ حیرت ظاہر کی۔

''ہاں جناب! پھر میں نے ان تینوں سے بھی بات کی تھی... اور انہیں خبردار کیا تھا... اس کے بعد ان کی نگرانی پر دو سادہ لباس والے اور دو سادہ لباس والے ان صاحب کی نگرانی پر مقرر کیے تھے... اس کے کمرے کے باہر جو دو سادہ لباس والے مقرر تھے... انہوں نے ایک ملاقاتی کو آتے اور جاتے دیکھا تھا... پھر وہ باہر نکلا تو ان میں سے ایک نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔'' انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

''بہت خوب... تب تو قاتل ہماری پہنچ سے باہر نہیں ہوگا۔''

''نہیں! یہ نہیں کہا جا سکتا... کیونکہ اس کا فون مسلسل بند ہے... جب کہ تعاقب کی صورت میں وہ فون بند نہیں کر سکتا

تھا... اور اس کا مطلب ہے، اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہے...''

''اوہ... اوہ۔'' انسپکٹر دھک سے رہ گیا۔

''اب ذرا میں لاش کو دیکھ لوں... پھر ہم ان تینوں سے ملاقات کریں گے... اور اگر انہیں گرفتار کرنے کا فیصلہ ہوا تو آپ انہیں لے جائیے گا۔''

''بہت بہتر۔''

انسپکٹر جمشید کمرے میں داخل ہوئے... فواد گیلانی کمرے کے قالین پر اوندھا پڑا تھا... اس کے منہ سے جھاگ نکل کر قالین پر پھیل گیا تھا اور جسم بالکل نیلا ہو چکا تھا اور کمرے میں کسی قسم کی گڑبڑ کے آثار نہیں تھے...

''حیرت ہے'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''جی... کس بات پر حیرت ہے۔'' فاروق چونکا۔

''ہمارے سادہ لباس والے کا بیان ہے... ملاقاتی اندر ایک گھنٹے تک رہا... جب کہ اس کا کام تو ایک منٹ کا تھا... اسے تو بس اتنا کرنا تھا کہ اس سے ہاتھ ملاتے وقت زہریلی سوئی اس کے جسم میں داخل کر دیتا... اس کام میں بھلا کیا دیر لگتی ہے... اور وہ ایک گھنٹے تک اندر رہا... آخر کیوں؟''

انہوں نے زوردار انداز میں کہا اور ان تینوں کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ کا یہ آخر کیوں... ہمارے لیے ہے۔''

''ہاں بالکل۔''

''فی الحال ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے...''
فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''یہ اچھی بات ہے۔''

''جی کیا مطلب... کون سی بات اچھی ہے۔'

''یہی کہ فی الحال تم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔''
وہ مسکرائے۔

''ویسے یہ سوال بہت اہم ہے... اگر وہ شخص اسے قتل کرنے آیا تھا، تب تو اسے اندر ایک گھنٹا نہیں لگ سکتا تھا... اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھنٹے تک اس نے ضرور کوئی کام کیا تھا ... اور ہم دیکھ رہے ہیں... کمرے میں کسی گڑبڑ، افراتفری کے نشانات نہیں ہیں... گویا ان کے درمیان کوئی کھینچا تانی نہیں ہوئی... یہ تو بالکل ایسا لگتا ہے... جیسے وہ سکون اور اطمینان سے اندر آیا... اس نے اسے قتل کیا... ایک گھنٹے تک کسی کام میں مصروف رہا اور چلا گیا، جاتے وقت دروازے کو

باہر سے لاک کر گیا... تاکہ کوئی فوراً دروازہ کھول کر لاش کو نہ دیکھ لے...''

''یہ سب تو خیر ٹھیک ہے... سوال تو یہ ہے کہ یہ سب چکر کیا ہے۔''

''ابھی تک چکر کا کوئی اندازہ... میرا خیال ہے... ہم ان تینوں کو یہیں کیوں نہ بلا لیں۔''

''ہاں! یہ ٹھیک رہے گا...''

انہوں نے سادہ لباس والوں کو ہدایات دیں... اور لاش کو بغور دیکھنے لگے... اچانک انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا... اس کے فوراً بعد وہ زور سے اچھلے... اور ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں...

ایسے میں لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ تینوں آتے نظر آئے:

☆☆☆☆☆

بے ڈھب

نزدیک آتے ہی وہ تینوں ایک ساتھ بولے:

''اُف مالک! یہ کیا ہوا؟''

''وہی ہوا جس کا مسٹر فواد گیلانی کو ڈر تھا... انہوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ تین حضرات انہیں ہلاک کرنے کی تین بار کوشش کر چکے ہیں اور اسی لیے وہ اپنے شہر سے یہاں آئے تھے... وہ اس سلسلے میں مجھ سے مدد چاہتے تھے... لہٰذا میں نے ان سے ملاقات کی تھی اور آپ سے بھی بات کی تھی... اب آپ بتائیں... اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے... آپ ہم پر جرم ثابت کر دیں اور ہمیں گرفتار کر لیں... یا جرم ثابت کیے بغیر گرفتار کرنا

چاہتے ہیں تو بھی ہمیں کوئی پروا نہیں... کیونکہ اس جرم سے ہمارا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں...''

''خیر... مہربانی فرما کر یہ بتائیں... آپ تینوں کے نام کیا ہیں۔''

''ہمارے نام ہے... ناصر تین ہیں۔''

''یہ کیا نام ہوا ناصر تین۔''

''ناصر نمبر 1 ناصر نمبر 2 ناصر نمبر 3۔'' تینوں بولے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں یہ لوگ... ایک ساتھ کیوں بول رہے ہیں۔'' انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

''ان کا کہنا ہے... یہ تین نہیں... ایک ہیں... جو بولیں گے، اکٹھے بولیں گے۔''

''اور اگر انہیں الگ الگ کر دیا جائے... تو؟'' فرزانہ بول پڑی۔

''اور ہاں! یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔''

''کوئی فائدہ نہیں...'' تینوں بولے... ساتھ میں مسکرائے بھی۔

''کیوں بھلا... فائدہ کیوں نہیں۔''

''تجربہ کرلیں۔'' انہوں نے منہ بنایا۔

''پہلے تو آپ یہ بتائیں... آپ لوگ بالم پور کے رہنے والے ہیں۔''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔'' وہ بولے۔

''فواد گیلانی کو کیسے جانتے ہیں۔''

''بالکل نہیں جانتے... نہ ہمارا اس سے کوئی تعلق ہے... ہمیں تو اس کے منہ سے یہ باتیں سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔''

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے... آپ لوگوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں... لیکن آپ دونوں بالم پور کے رہنے والے ہیں... وہاں سے ایک ہی وقت میں ہمارے شہر میں آئے... ایک ہی وقت میں ایک ہی ہوٹل میں آ کر ٹھہرے... فواد گیلانی کا کہنا ہے کہ آپ نے ان پر تین بار حملہ کیا... اور اب وہ چوتھے حملے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔''

''نہ ہم نے ان پر بالم پور میں حملے کیے نہ یہاں... یہ صرف ایک اتفاق ہے کہ ہم ایک ہی وقت میں ایک ہی ہوٹل میں آ کر ٹھہر گئے ہیں۔'' یہ جملے بھی انہوں نے ایک ساتھ ہی کہے

تھے... اور اس پر انہیں اور زیادہ حیرت ہوئی تھی۔

''آپ کیا کام کرتے ہیں۔''

''ہمارا اپنا کاروبار ہے... جوتے بنانے کا ایک بڑا کارخانہ۔''

''ہوں... کیا خیال ہے انسپکٹر صاحب... ان حالات میں آپ انہیں گرفتار کرنا چاہیں گے۔''

''میں الجھن محسوس کر رہا ہوں... خاص طور پر اس صورت میں کہ آپ کے ماتحت نے اس کمرے میں کسی اور شخص کو آتے دیکھا تھا... اور وہ اندر تقریباً ایک گھنٹے تک رہا تھا... پھر جب گیا تو باہر سے تالا لگا گیا... اور دروازہ کھلوایا گیا تو اندر لاش ملی... ان حالات میں ان تینوں کو گرفتار کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں... ویسے جو آپ فرمائیں۔''

''میں بھی یہی کہتا ہوں...'' وہ مسکرائے۔

''ٹھیک ہے پھر... انہیں جانے دیں۔''

''ارے...'' وہ بولے... پھر ان تینوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

''آپ لوگ جا سکتے ہیں... فی الحال آپ پر کوئی

الزام نہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' وہ بولے۔

''اور وہ تجربہ تو رہ ہی گیا ابا جان۔''

''اوہ ہاں... وہ تو کرنا چاہیے... ان تینوں کو الگ الگ سمت میں لے جانا بھئی ذرا، اس قدر فاصلے پر کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔''

''جی اچھا۔''

سادہ لباس والے انہیں الگ الگ لے جانے لگے... اس وقت تینوں نے احتجاج کے انداز میں کہا:

''یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں... جب کہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔''

''بس تجربہ کر رہے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر وہ کافی دور چلے گئے... صرف ایک ان کے پاس رہ گیا... جونہی وہ دونوں اس کی نظروں سے اوجھل ہوئے... وہ تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا:

''اوہو! یہ کیا ہوا۔''

''محمود... ادھر جا کر دیکھو... وہ دونوں ہوش میں

ہیں یا نہیں۔''

محمود اس طرف لپکا... جس طرف ان دونوں کو لے جایا گیا تھا۔ پھر جلد ہی لوٹ آیا:

''وہ دونوں بھی بے ہوش ہو گئے ہیں۔''

''اوہ... اوہ... خیر... سادہ لباس والے سے کہو... انہیں واپس لے آئیں۔''

''جی اچھا۔'' محمود نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔

اور پھر جونہی وہ دونوں تیسرے کے نزدیک آئے... تینوں ہوش میں آ گئے... انہوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تینوں کو ایک جگہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے...

''آپ لوگ ہماری سمجھ میں نہیں آئے... اچھا یہ بتائیں... آپ ہمارے شہر میں آئے کس لیے ہیں۔''

''آپ بھول گئے۔'' وہ مسکرائے۔

''کیا بھول گئے۔''

''ہم نے بتایا تھا... ہمارا جوتوں کا ایک بڑا کارخانہ ہے... ہم کاروباری سلسلے میں ہر سال یہاں آتے ہیں... یقین نہیں تو آپ ہوٹل کی انتظامیہ سے پوچھ لیں... ہم تو ہر مرتبہ اسی

ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔''

''اوہو اچھا...'' ان کے منہ سے نکلا... پھر انسپکٹر جمشید بولے:

''آپ لوگ جاسکتے ہیں... ہم اس کیس پر کام شروع کر رہے ہیں... آپ شہر سے باہر جانے لگیں تو انسپکٹر صاحب کو اطلاع دے کر جائیں... ان سے ان کا نمبر لے لیں اور اپنے نمبر ہمیں نوٹ کروا دیں... انسپکٹر صاحب آپ کا نام؟'' انہوں نے کہا۔

''انسپکٹر نذیر ہوتی۔''

نام اور نمبر وغیرہ نوٹ کرنے کے بعد ان تینوں کو رخصت کر دیا گیا... تاہم انسپکٹر جمشید نے دونوں سادہ لباس والوں کو ان کی نگرانی پر مقرر کر دیا... اب وہ ایک بار پھر لاش کی طرف متوجہ ہوئے...

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے موبائل آن کیا تو دوسری طرف سے اکرام کہہ رہا تھا:

''سر! اعظم خان شمالی سڑک پر بے ہوش پایا گیا... کسی نے اس کی جیب سے اس کا کارڈ نکال کر ہمیں فون کیا

تھا... ہم اسے اٹھا لائے ہیں۔''

''اعظم خان کون؟''

''جو فواد گیلانی سے ملاقات کے لیے آنے والے کے تعاقب میں گیا تھا۔''

''اوہ اچھا... بہت خوب! اس نے کیا بتایا۔''

''وہ بدستور بے ہوش ہے۔''

''کیا اس کے جسم پر زخم ہے۔''

''نہیں سر... کوئی زخم نہیں... بے ہوشی کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی... ڈاکٹر حضرات اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... ہوش میں آنے کے بعد وہ جو کچھ بتائے... مجھے بھی بتا دینا۔''

''اوکے سر۔''

انہوں نے فون بند کر دیا اور یہ خبر باقی لوگوں کو سنائی:

''میرا خیال ہے... اس کیس کا اب تک کوئی سرپیر نظر نہیں آ رہا۔'' محمود بڑبڑایا۔

''ہاں! یہی بات ہے... انہوں نے کہا اور لاش پر

جھک گئے... وہ اس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ ر
تھے... اور ساتھ میں نوٹ بک پر کچھ نوٹ بھی کرتے جار
تھے۔ ان کے چہرے پر حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی... آخر
سیدھے ہو گئے... اور انسپکٹر نذیر سے بولے:

''آپ اپنی کارروائی پوری کر کے لاش اٹھوا دیں۔

''ٹھیک ہے جناب۔''

اب وہ نیچے آئے...

''ہمیں قتل ہونے والے شخص کے بارے میں تما
معلومات چاہییں... جو آپ کے رجسٹر میں موجود ہیں۔''

''جی اچھا۔''

اس نے رجسٹر کھول کر ان کے سامنے کر دیا:

''کیا یہ صاحب اس سے پہلے بھی یہیں ٹھہرتے ر
ہیں۔''

''جی نہیں... یہ تو شاید پہلی مرتبہ آئے تھے۔''

''او ہو اچھا... اور وہ تینوں... ناصر تین۔''

''وہ اکثر آتے رہتے ہیں۔''

''خوب!''

اور پھر انہوں نے رجسٹر سے معلومات اپنی نوٹ بک
میں لکھ لیں... ان کے مطابق فواد گیلانی بالم پور ہی کا رہنے والا
تھا... اس کے گھر کا پتا اور فون نمبرز وغیرہ بھی لکھے ہوئے
تھے... شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی موجود تھی... انہوں نے اس
کی کاپی بھی بنوا لی... اور نوٹ بک میں رکھ لی...

اب وہ اپنی کار میں آ گئے... کار میں بیٹھ کر انہوں نے
کسی کے نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی
دیتی رہی... لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا... دوسرے فون نمبرز
ور موبائل نمبر بھی آزمائے... لیکن سب بند ملے:

''حیرت ہے۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر وہ گھر آ گئے... انسپکٹر جمشید کافی فکر مند لگ رہے
تھے۔ آخر انہوں نے کہا:

''میں بالم پور جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...
کیس مجھے بے چین کیے دے رہا ہے... بظاہر اس کیس سے
مارے محکمہ کا کوئی تعلق بھی نہیں لگتا... لیکن پھر بھی نہ جانے کیا
ت ہے... یوں لگتا ہے جیسے کوئی بڑا چکر چلنے والا ہے... اور
قت سے پہلے ہم اس چکر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان پائیں

گے... یہی بات مجھے فکر مند کیے دے رہی ہے... بہر حال ہمیں
بالم پور جانا ہوگا۔''

''تو کیا ہم انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل کو فو
کریں... فاروق نے جلدی سے کہا۔

''انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں... آؤ چلیں۔''

''ابھی اور اسی وقت۔'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''ہاں! ابھی اور اسی وقت... اس لیے کہ فون پر ک
سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا...''

''چلیے پھر... لیکن دیکھ لیں... پھر پروفیسر انکل او
انکل خان رحمان شکایت کریں گے کہ انہیں کیوں ساتھ نہیں لیا۔

''خیر تم کہتے ہو تو فون کرلو...''

اب فاروق نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے..
سلسلہ ملنے پر ان کی آواز سنائی دی... وہ رازدارانہ انداز میں
کہہ رہے تھے:

''ہم لوگ خطرے میں ہیں... اور بس۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا... مارے
حیرت کے اور خوف کے فاروق کا رنگ اڑ گیا... اس نے لرز

آواز میں کہا:

''انکل خان رحمان... بھی خطرے میں ہیں۔''

''کیا!!!'' ان کے منہ سے نکلا اور پھر انہوں نے کار
پوری رفتار پر چھوڑ دی۔

☆☆☆☆☆

آپ کون؟

انہوں نے خان رحمان کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر ہی دم لیا... کار سے اترتے ہی وہ دروازے کی طرف لپکے، محمود نے بے تابانہ انداز میں گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک اجنبی آدمی کی آواز سنائی دی:

''جی... کس سے ملنا ہے۔''

''یہ گھر ہمارے دوست خان رحمان کا ہے... آپ کون ہیں؟'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''یہ گھر ہمارا ہے... یہاں کوئی خان رحمان نہیں رہتے... اگر یقین نہیں تو اندر آ کر دیکھ لیں۔''

''کیا دیکھ لیں؟'' محمود کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

''یہ کہ یہ گھر ہمارا ہے... آپ کے دوست کا ہوتا تو آپ کے دوست آپ سے ملنے کے لیے نکلتے...''

''ٹھیک ہے... ہم اندر آ کر دیکھ لیتے ہیں۔''

''ضرور ضرور... شوق سے۔'' وہ مسکرایا۔

انہوں نے اس وقت شدید الجھن محسوس کی... ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا... آخر وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

''آپ کا نام کیا ہے جناب... پہلے تو یہ دیں۔''

''ہاں کیوں نہیں... نام بتانے میں کیا حرج ہے... میں آدم ہوں۔''

''اور آپ کب سے اس کوٹھی کے مالک ہیں۔''

''ہمیشہ سے! یہ میں نے ہی بنوائی تھی... میرا مطلب ہے... زمین خرید کر بنوائی تھی۔ ہمیشہ سے ہی میری ہوئی نا۔''

''ارے میاں کیوں بے پر کی اڑاتے ہیں...'' فاروق ہنسا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ کوٹھی ہمارے انکل خان رحمان کی ہے... پہلے یہاں ان کا آبائی مکان تھا... یعنی ان کے باپ دادا یہیں رہتے تھے... پھر انہوں نے اس پرانی عمارت کو گرا کر نئی کوٹھی بنوائی... اب آپ ہیں کہ کہ رہے ہیں... یہ کوٹھی آپ کی ہے اور ہے بھی ہمیشہ سے۔''

''ہاں! یہی بات ہے... آپ خود دیکھ لیں۔''

وہ اندر آ گئے... اندر خان رحمان اور ان کی بیوی بچوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا... نہ ظہور اور اس کی بیوی نظر آئے... البتہ کچھ نئے لوگ ضرور تھے... اور ظاہر ہے... وہ مسٹر آدم کے گھر کے افراد تھے...

''حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے...'' فاروق کے منہ سے نکلا۔

''کس بات پر حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''ہر بات پر... یہاں تو کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں... جس پر حیرت نہ ہو... یہ گھر ہمارے انکل خان رحمان کا ہے... ہم یہاں ہزاروں بار آئے گئے ہیں... لیکن آج یہ

صاحب کہ رہے ہیں... یہ گھر ان کا ہے... اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں اس وقت انکل خان رحمان ہیں بھی نہیں... نہ ان کے بیوی بچے اور ملازم ہیں... آخر وہ کہاں ہیں۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''ارے ہاں! ایک منٹ۔'' یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے نمبر ملائے، کیونکہ یہاں آنے سے پہلے انہوں نے ان سے بات کی تھی... انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی... ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ بس آ جاؤ... یہاں تمہاری ضرورت ہے۔''

انہوں نے نمبر ملائے تو فوراً ہی خان رحمان کی آواز سنائی دی... ان کی آواز سن کر انہیں جہاں خوشی ہوئی، وہاں حیرت بھی ہوئی:

''خان رحمان... تم کہاں ہو۔''

''یار جمشید... تم آئے نہیں اب تک... میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری ضرورت ہے۔''

''اُف مالک! یہ... یہ سب کیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید چلائے اٹھے۔

''کیا مطلب... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' خان رحمان کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''ہم اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہیں... اور تم ہمیں یہاں کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے۔''

''کک... کیا!!'' خان رحمان چلائے۔

''کیوں خان رحمان... تم اس قدر زور سے کیوں چلائے۔''

''یہ... یہ تم نے کیا کہا... تم میرے گھر میں موجود ہو اور ہم یہاں نہیں ہیں۔''

''ہاں! خان رحمان... یہی بات ہے... تمہاری جگہ یہاں کچھ اور لوگ موجود ہیں... ان کا کہنا ہے... یہ ان کا گھر ہے... آج کا نہیں... ہمیشہ سے یہ ان کا گھر ہے۔''

''یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید... یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے... بس صرف ہم ہی ہم ہیں... یہ دیکھو... یہ رہی میری بیگم... یہ رہے میرے تینوں بچے اور یہ اس طرف ظہور اور اس کی بیگم سلمیٰ... ظہور تم بولتے کیوں نہیں... میری بات کی تصدیق کیوں نہیں کرتے...'' خان رحمان کی آواز تیز

ہو گئی۔

''خان صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔''

''نن نہیں... اُف مالک... یہ... یہ کیا چکر ہے۔''

''سنو جمشید... اگر واقعی یہاں کچھ لوگ موجود ہیں... تو وہ ضرور فراڈ ہیں... تم انہیں گرفتار کر لو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے خان رحمان... لیکن تم ہم لوگوں کو نظر کیوں نہیں آ رہے... آخر تم کہاں ہو...''

''حد ہو گئی... ارے بھئی ہم اس وقت صحن میں ہیں۔''

''نن نہیں... نہیں... صحن میں تو یہ لوگ ہیں۔''

''کیا!!!'' خان رحمان چلا اٹھے۔

اور انسپکٹر جمشید سر پکڑ کر بیٹھ گئے... اس وقت انہوں نے آدم کو بے تحاشہ ہنستے دیکھا... اس کی ہنسی لمبی ہوتی چلی گئی... وہ بُرے بُرے منہ بنا کر اس کی طرف دیکھتے رہے... آخر فاروق سے رہ نہ گیا:

''آپ کی ہنسی شیطان کی آنت جتنی لمبی ہے... کیا آپ اسے چھوٹا نہیں کر سکتے۔''

''ہاں! کیوں نہیں... آج انسپکٹر جمشید بھی خود کو گھن چکر محسوس کر رہے ہیں... کیوں یہی بات ہے نا۔''

''ہاں! بالکل یہی بات ہے... لیکن بہر حال... ہم اس معاملے کی تہ تک پہنچ جائیں گے... ایک منٹ ٹھہریں۔''

''میں تو ٹھہرا ٹھہرایا ہوں... کیونکہ اس وقت اپنے گھر میں ہوں...''

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا اور پروفیسر داؤد کے نمبر ملائے۔ جلد ہی ان کی آواز سنائی دی:

''ہیلو... کون صاحب۔''

''کیا کہا آپ نے ہیلو... آپ تو السلام علیکم کہا کرتے ہیں۔''

''آپ ہیں کون۔''

''یہ ایک اور رہی... اب آپ میری آواز بھی نہیں پہچان رہے۔''

''میں نے پوچھا ہے... آپ کون ہیں... پہلے نام بتائیں... پھر بات کریں۔''

''حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے... آپ

انسپکٹر جمشید سے پوچھ رہے ہیں... آپ کون ہیں... نام بتائیں۔''

''انسپکٹر جمشید۔''

''کون انسپکٹر جمشید؟''

''اوہ اب سمجھا... آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔''

''نہیں... ہرگز نہیں... میں انجان لوگوں سے مذاق نہیں کیا کرتا۔''

''اللہ! اب میں انجان ہوگیا۔''

''ہوگیا نہیں... پہلے سے انجان ہیں... میں نہیں جانتا آپ کون ہیں... کیا ہیں اور کیوں مجھے پریشان کر رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... پہلے ہم ادھر سے فارغ ہولیں... پھر آپ کی طرف آئیں گے۔''

''کدھر سے فارغ ہولیں؟''

''خان رحمان کی طرف سے۔''

''خان رحمان... یہ کون ہیں... دیکھیے میاں! آپ بلاوجہ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں... وہ آگئے تو مجھے ماریں گے۔''

''کون ماریں گے آپ کو۔'' مارے حیرت کے انہوں نے کہا۔

''وہی... جو اس پوری عمارت کے مالک ہیں۔''

''مطلب... یہ کہ اس تجربہ گاہ کے آپ مالک نہیں ہیں۔''

''توبہ کریں جی... میں تو ان کا نوکر ہوں نوکر۔'' وہ زور دے کر بولے۔

ان کا دماغ گھوم گیا... آخر انہوں نے تنگ آ کر کہا:

''اچھی بات ہے... پھر آپ سے بات کروں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

''معلوم ہوتا ہے... ادھر بھی گڑ بڑ ہے۔'' محمود نے پریشان ہو کر ادھر دیکھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے...'' انسپکٹر جمشید نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''اللہ اپنا رحم فرمائے... جب سمجھ میں آجائے... بتا دیجیے گا۔''

''اب کیا کرنا ہے ابا جان۔'' فرزانہ کی آواز ابھری۔

''تم ہی بتاؤ فرزانہ۔''

''ان لوگوں کو گرفتار کر کے حوالات میں پہنچا دیں... خود ہی اگل دیں گے کہ یہ کون ہیں... اور کیا چکر چلا رہے ہیں۔'' فرزانہ نے کہا۔

''ہاں! یہ ٹھیک رہے گا...''

اور انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کر ڈالے... اس کی آواز سن کر انہوں نے صورت بتائی... اور فون بند کر دیا۔

''اکرام بہت جلد یہاں پہنچ جائے گا...''

''کون اکرام... اب تک آپ نے یہ نہیں بتایا، آپ یہاں کس لیے آئے ہیں۔''

''بتایا تو ہے... ہم اپنے دوست خان رحمان سے ملنے کے لیے آئے ہیں... یہ ان کا گھر ہے، ہم یہاں ہزاروں بار آچکے ہیں... لہٰذا اس میں کسی قسم کی غلط فہمی کا سرے سے کوئی امکان نہیں۔ اب رہا یہ سوال... آپ کون ہیں اور ہمارے دوست اور ان کے گھر کے باقی افراد کہاں ہیں... یہ ہم آپ سے معلوم کر ہی لیں گے...''

''کیا کہا آپ نے ... آپ اور ہم سے معلوم کری
گے۔''

''ہاں! کیوں نہیں ... ان شاء اللہ۔''

''لیکن ہمیں تو آپ کے دوستوں کے بارے میں ک
معلوم ہی نہیں ... نہ یہ ان کا گھر ہے ... آپ ضرور بھول گ
ہیں۔''

''حد ہوگئی ... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ... ا
سارے معاملے میں کوئی گہرا چکر ضرور ہے ... یہ بات نہیں جا
کہ ... وہ چکر کیا ہے ... یہ ہم معلوم کریں گے ...''

''لل ... لیکن۔'' ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو فرزانہ؟'' انسپکٹر جمشید نے سوا
انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں! چکر تو ہم معلوم کرلیں گے ... غور طل
بات یہ ہے کہ یہ عجیب وغریب سے چکر اچانک کیوں شروع
گئے ... ہوٹل امبراد والا چکر بھی کچھ کم عجیب نہیں تھا ... ابھی تو
اسے نہیں سمجھ پائے تھے کہ یہ شروع ہوگیا۔''

''کوئی بات نہیں ... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں

''آپ لوگ اب چلتے پھرتے نظر آئیں ... ورنہ؟''
اجنبی شخص نے کہا۔

''ورنہ کیا؟''

''ورنہ میں پولیس کو بلالوں گا۔''

''یہ کام ہم خود کرچکے ہیں ... فکر نہ کریں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ پولیس کو بلا کر کیسے ثابت کریں گے کہ یہ کوٹھی
آپ کی ہے۔''

''میرے پاس کاغذات ہیں ... پھر یہ کہ آخر میرے
ائیں بائیں پڑوسی رہتے ہیں ... وہ بھی گواہی دیں گے ...''

''آپ کا مطلب ہے ... پڑوسی آپ کے حق میں گواہی
یں گے۔''

''ہاں اور کیا آپ کے حق میں۔''

''ہمارا تو یہی خیال ہے ... کیونکہ مدتیں گزر گئیں ہمیں
اں آتے جاتے ... آس پاس کے لوگ ہمیں اچھی طرح
نتے ہیں۔''

''میرا کہنا بھی یہی ہے ... مدتیں گزر گئیں مجھے یہاں

رہتے ہوئے... لہٰذا میرے پڑوسی میرے حق میں فیصلہ دیں
... نہ کہ آپ کے حق میں۔''

''اچھی بات ہے... آپ پولیس کو بلانا چاہتے ہیں
میں نے بھی پولیس کو بلایا ہے۔''

''لیکن وہ پولیس آپ کی طرف دار ہوگی... میں
جانب دار پولیس بلاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے... آپ بلا لیں۔'' وہ بولے۔

''ابا جان۔'' فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

''ہاں فرزانہ... تم پہلے بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں...

''ہمیں ان چکروں میں بلاوجہ نہیں الجھا جا رہا ہے۔
ضرور ملک میں کوئی خاص واقعہ پیش آنے کو ہے... یا یہاں کو
کارروائی شروع کی جا چکی ہے... اور ہمیں ان دو معاملا
میں اس لیے الجھایا گیا ہے کہ ہم اس طرف توجہ ہی نہ د
سکیں۔''

''اس میں شک نہیں فرزانہ تم نے درست اندازہ ل
ہے... لیکن جب تک کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آجاتی... ا
وقت تک ہم اپنے دوستوں کو چھوڑ کر کیسے ادھر چلے جائیں۔

ہاں جب بات کھل جائے گی... اس وقت ہم فیصلہ کریں گے کہ
ہمیں کیا کرنا چاہیے... اور یہ کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیے...
کس طرف نہیں جانا چاہیے... اور اس کام میں اب زیادہ دیر
نہیں لگے گی...''

ایسے میں دروازے کی گھنٹی بج اٹھی:

''لیجیے... پولیس آگئی...''

''خوب... خوب... چلیے یہ اچھا ہے۔''

اور خود انسپکٹر جمشید نے جا کر دروازہ کھول دیا...
اکرام نے انہیں دیکھ کر کہا:

''السلام علیکم...''

''وعلیکم السلام اکرام... آؤ... بھئی... بہت عجیب
حالات ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں... ہم دیکھ لیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔''

سب انسپکٹر اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ اندر
آگیا... فوراً ہی اس نے کہا:

''انہیں گرفتار کر لو۔''

''خبردار... قانون کے محافظ ہو کر آپ غیر قانونی کا
کر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب... اکرام زور سے چلا اٹھا۔

''یہ کوٹھی میری ہے... یہ لوگ یہ کوٹھی اپنے کسی دوس
کی خیال کر رہے ہیں۔''

''اور بالکل ٹھیک خیال کہ رہے ہیں... یہ کوٹھی ان ک
دوست خان رحمان کی ہے... آپ لوگ فراڈ ہیں... لہذا
آپ کو گرفتار کر رہے ہیں۔''

''آپ کی مرضی... ہم آپ پر مقدمہ درج کر
گے۔''

''آپ ضرور ایسا کیجیے گا... فی الحال تو آپ حوالا
چلیے۔''

پھر اکرام کے ماتحت نے انہیں ہتھکڑیاں لگا دیں:

''اکرام ان سے معلوم کرنا ہے کہ اس گھر کے لو
کہاں ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں... ہم معلوم کر لیں گے۔''

''نہیں معلوم کر سکیں گے۔'' آدم نے گویا چیلنج کیا۔

''اچھی بات ہے...''

اور اس کے ماتحت انہیں باہر لے چلے... ان کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے... ان کی آواز فوراً سنائی دی۔

''جمشید! تم کہاں ہو۔''

''تمہارے گھر کے صحن میں... اور تم۔''

''نیچے گودام میں۔''

''کیا مطلب... کیا تم گودام میں قید ہو۔''

''یہی کہا جا سکتا ہے۔''

''تب پھر پہلے تم کیا کہہ رہے تھے...''

''ہمیں نہیں معلوم... ہم کیا کہتے رہے ہیں... البتہ اتنا احساس ضرور ہو رہا ہے کہ ہم کوئی خواب دیکھتے رہے ہیں۔''

''اچھا ہم آ رہے ہیں...''

وہ دروازہ کھول کر نیچے گودام میں پہنچے... خان رحمان ان کی طرف لپکے... باقی لوگ بھی آگے بڑھے... ایسے میں ان کے موبائل کی گھنٹی بجی... دوسری طرف اکرام تھا... اس نے جونہی ایک جملہ کہا... وہ سب بہت زور سے اچھلے:

فیس

''کیا کہہ رہے ہو اکرام۔''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سر... ہتھکڑیاں ماتحتوں کے ہاتھوں میں رہ گئیں اور وہ لوگ آرام اور اطمینان سے ان کی آنکھوں کے سامنے ایک کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔''

''لیکن ہتھکڑیاں کیسے کھلیں۔''

''ماتحتوں کا کہنا ہے... وہ نہیں جانتے ہتھکڑیاں کیسے کھلیں۔''

''خیر کوئی بات نہیں ... حالات جادوئی سے ہیں... ہمارے ساتھ بھی خان رحمان کے گھر میں کچھ ایسا ہی ہوا ہے... ماتحتوں کا کوئی قصور نہیں... انہیں سخت سست نہ کہنا۔''

''ٹھیک ہے سر... میں نے انہیں ابھی تک ایک لفظ بھی

نہیں کہا...''

''بس ٹھیک ہے... ہم دیکھ لیں گے... اور ہاں ناصر تین کی کیا رپورٹ ہے۔''

''ناصر تین جب سے اپنے کمرے میں گئے ہیں، پھر نہیں نکلے۔''

''اوہو اچھا... کہیں وہ بھی کمرے کے اندر ہی سے غائب تو نہیں ہو گئے۔''

''یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔''

''بھئی میں نے کہا نا ... حالات جادوئی سے ہیں... ایسا لگتا ہے جیسے اس بار ہمارا مقابلہ کسی ماہر جادوگر سے ہے...''

''اچھی بات ہے... میں ماتحتوں سے کہتا ہوں... وہ ان سے دروازہ کھولنے کے لیے کہیں گے... اس طرح معلوم ہو جائے گا کہ وہ اندر ہیں یا نہیں۔''

''اگر وہ اندر نہ ملیں تو بتا دینا۔''

''او کے سر۔''

اب وہ خان رحمان کی طرف مڑے... ادھر وہ ان کی

طرف مڑے... اور پھر سب آپس میں نہایت گرم جوشی سے ملے:

''یہ سب کیا تھا خان رحمان۔''

''ہمیں کچھ معلوم نہیں... بس دروازے کی گھنٹی بجی تھی... اس کے ساتھ ہی کچھ لوگ اندر گھس آئے... ظہور انہیں نہ روک سکا... بس یوں لگتا تھا جیسے وہ ظہور کو نظر ہی نہیں آئے...''

''لیکن خان رحمان! تم تو ہم سے فون پر باتیں کرتے رہے ہو۔''

''کون میں... نہیں تو... ہم تو جب سے مصیبت میں پھنسے ہیں... کسی سے کوئی بات نہیں کی۔''

''تمہارا موبائل تمہارے پاس تھا؟'' انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں! موبائل میرے پاس تھا... لیکن اس کے باوجود میں نے اس کے ذریعے کسی سے رابطہ نہیں کیا... البتہ جب گھنٹی بجی، اس وقت میں نے فون ضرور سنا اور بات بھی کی... لیکن کیا بات کی... یہ معلوم نہیں... بالکل یاد نہیں... یہ

بھی معلوم نہیں کہ فون کس نے کیا... اس نے کیا پوچھا... اور میں نے کیا جواب دیا۔''

''ہوں... خیر... تم فکر نہ کرو... ہم ان لوگوں کو دیکھ لیں گے... مجھے دراصل معلوم نہیں تھا کہ ہمارا مقابلہ کس قسم کے لوگوں سے آپڑا ہے۔''

اب وہ انہیں اوپر لے آئے... صحن میں آ کر بیٹھ گئے...

''خان رحمان! اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو۔''

''کچھ عجیب سا... ایسا لگتا ہے جیسے میرا ذہن منتشر ہو چکا ہے... جیسے میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا ہوں... میں اپنی میز کی دراز کھولنے کی خواہش محسوس کر رہا ہوں۔''

''تو کھول لو خان رحمان۔''

''اچھی بات ہے جمشید... شکریہ!'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

ادھر انہوں نے ان تینوں کی طرف پریشان نظروں سے دیکھا... ادھر خان رحمان میز تک پہنچ گئے... انہوں نے دراز کو

کھولا... اس میں ہاتھ ڈالا... پھر فوراً ہی ان کا ہاتھ باہر آیا... اس میں پستول تھا... اچانک ان کا ہاتھ بلند ہوا اور انسپکٹر جمشید کی طرف مڑ گیا...

ایک لمحے میں وہ سمجھ گئے کہ خان رحمان کیا کرنا چاہتے ہیں... انہوں نے خود تو اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی ہی، ساتھ ہی ان تینوں سے بھی چلا کر کہا:

''خود کو بچاؤ۔''

اور وہ ادھر ادھر لڑھک گئے... خان رحمان ان پر بے تحاشہ فائرنگ کرتے چلے گئے... اس کے ساتھ ساتھ وہ ادھر ادھر گرتے لڑھکتے چلے گئے یہاں تک کہ پستول خالی ہو گیا ...انہوں نے پستول کھینچ کر انسپکٹر جمشید کے سر پر مارا... لیکن وہ دیوار سے ٹکرایا... انسپکٹر جمشید بلا کی تیزی سے جھک گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا... خان رحمان بت بنے کھڑے تھے:

''اب... کیا پروگرام ہے خان رحمان۔''

''میں... میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اب کیا جی چاہ رہا ہے۔''

''رونے کو جی چاہ رہا ہے...'' انہوں نے کہا اور

واقعی رونے لگے۔

''تم ذرا ان کا دھیان رکھو... میں ایک دوست کو فون کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی اچھا۔''

اب انہوں نے ایک دوست کو فون کیا... پھر فون بند کر دیا... اور ان سے بولے:

''دوست کے آنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے ۔ اس وقت تک ان کا دھیان رکھنا ہوگا۔ ورنہ یہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا وقت آ گیا ہے... آخر انہیں ہوا کیا ہے۔''

''یا تو یہ کسی جادوگر کا کام ہے... یا پھر ہپناٹزم کے کسی بہت ماہر کا کام ہے... اسی لیے میں نے دوست کو بلایا ہے۔''

''انکل! آپ کیا کہتے ہیں۔'' محمود نے خان رحمان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''میں... میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

''آپ کو پتا ہے... آپ نے ابھی ابھی ہم پر فائرنگ

کی ہے۔''

''ہاں! جانتا ہوں... لیکن میں نہیں جانتا، میں نے ایسا کیوں کیا ہے۔''

''محمود اپنے انکل کو پریشان نہ کرو... انہوں نے جو کچھ کیا... اپنی مرضی سے نہیں کیا...'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

پھر ان کے دوست وہاں پہنچ گئے... ان کا نام پروفیسر احسان شومی تھا... انہوں نے ساری تفصیل سنا دی... پروفیسر احسان شومی نے ایک نظر خان رحمان پر ڈالی... پھر بولے:

''انہیں میرے ساتھ بند کمرے میں چند منٹ کے لیے ٹھہرنا ہوگا۔''

''اچھی بات ہے... خان رحمان تم ان کے ساتھ اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔''

''نن نہیں۔'' وہ خوف زدہ انداز میں بولے۔

''ارے خان رحمان... یہ میرے بہت اچھے دوست ہیں... بس تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔''

''اچھا اچھا... تم کہتے ہو تو چلا جاتا ہوں۔''

وہ ڈرے ڈرے انداز میں احسان شومی کے ساتھ چلے

گئے... انہوں نے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی...

''کیا یہ ہپناٹزم کے ماہر ہیں۔''

''ہاں! اور انہیں جادو کے بارے میں بھی بہت معلومات ہیں... لہٰذا بہت جلد وہ ہمیں اپنی کارگزاری کے بارے میں بتائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

پھر دروازہ کھلا اور احسان شومی باہر نکلے:

''میں انہیں سلانے میں کامیاب ہوگیا ہوں... اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان پر ہپناٹزم کا اثر ہے...''

''اب... اب کیا ہوگا۔'' محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''پندرہ منٹ کے بعد میں ان پر کام کروں گا... اس کے بعد بتا سکوں گا کہ کامیابی ہوئی یا نہیں۔''

''اچھا! اللہ مالک ہے۔''

پندرہ منٹ بعد وہ اندر چلے گئے اور کوئی آدھ گھنٹے بعد باہر آئے... ان کے چہرے پر مایوسی نظر آئی:

''اس کا مطلب ہے... آپ کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''نہیں... پندرہ منٹ بعد یہ ہوش میں آجائیں گے
البتہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''ہمارے ملک میں ہپناٹزم کے سب سے زیادہ ماہر
پروفیسر ڈان ہیں... انہیں اس اثر سے وہ نکال سکتے ہیں... یا
پھر جس نے ان پر ہپناٹزم کیا ہے... وہ اس اثر کو زائل کرسکتا
ہے۔''

''ٹھیک ہے... ہم پروفیسر ڈان سے مل لیتے ہیں
... آپ ان کا پتا اور فون نمبر وغیرہ دے دیں... پہلے ہم ان
سے رابطہ کریں گے... پھر ان کے ہاں چلے جائیں... آپ
صرف یہ بتا دیں کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے جاسکیں گے یا
نہیں۔''

''لے جاسکتے ہیں... لیکن ہر وقت ان پر نظر رکھنا
ہوگی... کیا خبر یہ پھر آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کر گزریں۔''

''اچھی بات ہے۔''

پروفیسر احسان شومی تو چلے گئے... اب انہوں نے
پروفیسر ڈان کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر انہوں نے پہلے تو اپنا
تعارف کرایا پھر بولے:

''ہمیں آپ سے ایک کام ہے۔''

''کام کی نوعیت بتائیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا
... آواز بہت بھاری تھی۔

''ایک شخص پر ہپناٹزم کیا گیا ہے... آپ ذرا اسے
دیکھ لیں۔''

''ٹھیک ہے... آجائیں۔''

''مہربانی کر کے اپنا لکھوا دیں۔''

''914.c بھاگرا ٹاؤن۔'' اس نے کہا۔

وہ اسی وقت بھاگرا ٹاؤن کی طرف روانہ ہوگئے
... اور جلد ہی 914.c کے سامنے اپنی کار سے اتر رہے
تھے... محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا تو ایک بارہ تیرہ
سال کا لڑکا باہر آیا... اس کی آنکھیں زرد تھیں... چہرہ بجھا بجھا
سا تھا۔

''ہمیں پروفیسر صاحب سے ملنا ہے... تھوڑی دیر
پہلے ہم نے ان سے فون پر بات کی تھی۔''

''جی ہاں! آپ آئیے۔'' اس نے ادب سے کہا۔

''آپ یہاں ملازمت کرتے ہیں۔'' فرزانہ پوچھے

بغیر نہ رہ سکی۔

''جی... جی ہاں۔'' اس نے قدرے حیران ہو کر کہا

''اس عمر میں... یہ تو آپ کے پڑھنے کے دن ہیں۔''

''میرے والد وفات پا چکے ہیں... والدہ بیمار ہیں...
ان حالات میں اگر ملازمت نہیں کروں گا تو ہم دو وقت کی رو
کیسے کھائیں گے۔''

''آپ کا نام کیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف
بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی... میں... میرا نام ہاشم ہے۔''

''آپ کل اس پتے پر مجھ سے ملیں... ہم آپ دونو
کے لیے کچھ کریں گے... ویسے یہاں آپ کو کتنے پیسے ملتے
ہیں۔''

''بارہ سو روپے ماہوار۔''

''کیا!!! بارہ سو روپے ماہوار... بس۔'' ان کے من
سے مارے حیرت کے نکلا۔

''جی ہاں! بس۔''

''گویا آپ کو روزانہ تیس روپے ملتے ہیں... بھلا تیس

روپے سے کام کیسے چل سکتا ہے... کیا یہ بارہ سو روپے کے
علاوہ بھی کچھ دیتے ہیں...''

''جی نہیں... کھانا وغیرہ کچھ بھی نہیں ملتا... بس بارہ
سو روپے ملتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... آپ ضرور مجھ سے ملیے گا... ہم
آپ کو اچھی ملازمت دلوائیں گے... اور سکول میں داخلہ بھی
دلوائیں گے۔''

''لل... لیکن... پروفیسر ڈان مجھے جانے نہیں دیں
گے... کوئی مجھے یہاں سے لے جائے گا... تب بھی یہ نہیں
جانے دیں گے۔''

''آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کو لے جائیں گے۔''

''اچھا خیر...'' اس نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم
میں لے آیا۔

''آپ تشریف رکھیے... میں انہیں اطلاع دیتا
ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا... اور یہ لوگ ڈرائنگ روم کا
جائزہ لینے میں محو ہو گئے۔ ایسا عجیب وغریب ڈرائنگ روم وہ

زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے... دروازے کے سامنے والی
دیوار پر ایک بڑی سی صلیب نصب تھی۔ اس کے علاوہ بھی انہیں
باقی تین دیواروں پر عجیب وغریب تصاویر نظر آئیں... وہ حد
درجے خوفناک سی تھیں... ہر تصویر کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا
ان تصاویر میں جنات کی تصاویر تھیں،

وہ بار بار ان تصاویر کو دیکھ رہے تھے اور ہر بار خوف
محسوس کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا:

''گڈ آفٹر نون۔'' ایک بھاری بھرکم آدمی نے اندر
داخل ہوتے ہوئے کہا... اس کے جسم پر سر سے پیر تک بالکل سیاہ
لباس تھا... البتہ وہ خود سفید رنگ کا آدمی تھا... سیاہ لباس میں
اس کا سفید چہرہ بہت خوفناک لگا... اس کے ہاتھوں پر دستانے
تھے... پیروں میں سیاہ جرابیں تھیں... سر پر ایک اونچا سا ہیٹ
تھا... غرض اسے دیکھ کر بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔

''تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔''

''ہاں! اور یہ ہیں خان رحمان... ان پر کسی نے ب
ٹرم کر دیا ہے... آپ دیکھیں اور بتائیں... اثر زائل کر سکتے
ہیں یا نہیں...

''یہ کیا مشکل ہے... میں اس شہر کا سب سے ماہر ہپنا
ٹسٹ ہوں۔ میں اثر زائل نہیں کر سکوں گا تو اور کون کرے
گا... لیکن اصل مسئلہ ہے فیس کا... میری فیس ذرا زیادہ ہوتی
ہے۔''

''کوئی بات نہیں... ہم فیس ادا کریں گے۔''

''ایک لاکھ روپے ادا کریں۔''

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... ظاہر ہے
جیب میں اتنے پیسے تو لے کر آئے نہیں تھے:

''ہم منگا لیتے ہیں... آپ فکر نہ کریں اور معائنہ
شروع کریں۔''

''انہیں میرے ساتھ دوسرے کمرے میں جانا
ہوگا...''

''ہم میں سے کوئی ایک آدمی تو ساتھ جائے گا...''

''اس بچی کو ساتھ بھیج دیں۔'' اس نے فرزانہ کی طرف
اشارہ کیا۔ سب سے چھوٹی وہی نظر آ رہی تھی نا... شاید اس لیے
اس نے اسے ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی۔

''ٹھیک ہے... فرزانہ تم اپنے انکل کو لے جاؤ۔''

"جی اچھا۔"

پھر فرزانہ نے انہیں بازو سے پکڑ لیا اور پروفیسر ڈا
کے پیچھے انہیں لے چلی:

"مم... میں خوف محسوس کر رہا ہوں... فاروق
گھبرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور خود بھی کمرے سے ن
آئے... انہوں نے دیکھا، پروفیسر سامنے والے کمرے
داخل ہو رہا تھا... اس کے پیچھے ہی فرزانہ اور خان رحمان دا
ہو گئے... ساتھ ہی دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا... وہ د
پاؤں آگے بڑھے اور تالے کے سوراخ سے آنکھ
دی... لیکن سوراخ بند تھا... اور وہ اس میں سے کچھ بھی نہ
دیکھ سکتے تھے... اب انہوں نے قدرے بے چینی محسوس کی، لی
وہ کر ہی کیا سکتے تھے... بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر
لگے... ساتھ ہی انہوں نے ایک فیصلہ کیا:

آدھ گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا... فرزانہ
پروفیسر باہر نکل آئے۔ پروفیسر ڈان کے چہرے پر فا

مسکراہٹ تھی:

"میں کامیاب رہا... آپ کے دوست پندرہ منٹ
تک نیند سے بیدار ہو جائیں گے... اس وقت وہ پہلے کی مانند
بالکل نارمل ہوں گے..."

"ٹھیک ہے پروفیسر صاحب... آپ کا شکریہ!"

"میری فیس آگئی؟" اس نے پوچھا۔

"فون کیا جا چکا ہے... فیس کے آنے میں زیادہ دیر
نہیں لگے گی... آپ فکر نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

پھر اکرام رقم لے کر پہنچ گیا... وہ پروفیسر کو دے دی گئی
... پندرہ منٹ بعد خان رحمان ہوش میں آ گئے اور خود ہی اٹھ کر
ان کے پاس چلے آئے:

"خان رحمان... خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو۔"

"کیوں... مجھے کیا ہوا تھا اور یہ ہم کہاں ہیں۔"

"تو تمہیں کچھ یاد نہیں... کہ ہم گھر سے کہاں کے لیے
روانہ ہوئے تھے... اور یہ کہ اس سے پہلے تمہارے گھر میں کیا
ہوا تھا۔"

''نن نہیں... مجھے کچھ بھی معلوم نہیں... یہ... یہ کون
صاحب ہیں۔'' انہوں نے پروفیسر ڈان کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔

''یہ... یہ پروفیسر ڈان ہیں... آؤ چلیں... گھر
چل کر پوری تفصیل سنا دیں گے۔''

عین اس لمحے ایک شخص اندر داخل ہوا اور گھبرائی
ہوئی آواز میں بولا:

''پروفیسر ڈان... مریض نمبر 312 کی حالت بہت
خراب ہے۔''

انسپکٹر جمشید کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا... لیکن
آنے والا اور پروفیسر ڈان اس جھٹکے کو نہ دیکھ سکا... البتہ ان
کے ساتھیوں کو اس جھٹکے نے حیرت زدہ کر دیا:

فلم

کوٹھی سے باہر نکلتے ہی انسپکٹر جمشید نے اکرام کے نمبر
ڈائل کیے... اور سلسلہ ملتے ہی بولے:

''اکرام! پتا نوٹ کرو... 914 بھاگرا ٹاؤن... یہ
کوٹھی ہے پروفیسر ڈان کی... اس شخص کے ہاں ایک ملازم ہے
... اس کا حلیہ لکھ لو... لمبا قد، لمبوترا چہرہ سرخ و سفید رنگ، نیلی
آنکھیں... اتنا حلیہ کافی رہے گا...''

''جی ہاں! بہت۔'' اکرام فوراً بولا۔

''اس کی نگرانی پر دو آدمی فوری طور پر مقرر کر
دو... ہم یہاں اس وقت ٹھہریں گے جب تک کہ تمہارے ماتحت
نہیں آجائیں۔''

’’اوکے سر! آپ فکر نہ کریں۔‘‘

’’اور ہاں! دو آدمی پروفیسر ڈان پر بھی مقرر کردو... یہ بھاری بھر کم سا آدمی ہے... انگریز ہے... اس کی آنکھیں بھی نیلی ہیں... البتہ چہرہ گول مٹول ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے...‘‘

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کردیا... اس وقت فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا:

’’ہاں! اب بتائیں... آپ کو حیرت کس بات پر ہوئی تھی۔‘‘

’’تم نے ملازم کی آواز پر دھیان نہیں دیا... وہ اگرچہ آواز بدل کر بول رہا تھا اور حلیہ بھی تبدیل کیا ہوا تھا... لیکن پھر بھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ آدم ہے۔‘‘

’’تب پھر ہم نے اسے بدلے ہوئے حلیے میں وہاں دیکھا ہوگا... یہاں وہ کیوں حلیہ تبدیل کرتا... یہاں تو وہ رہتا ہے اور پروفیسر ڈان کا یا تو ملازم ہے... یا اس کا کوئی رشتے دار۔‘‘ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

’’بالکل ٹھیک... اب یہ چکر سمجھ میں آنے لگا ہے... یہ

لوگ اس طرح دولت سمیٹ رہے ہیں...‘‘

’’لیکن ابا جان... ان تین کا چکر تو پھر بھی سمجھ میں نہیں آیا؟‘‘

’’ارے ہاں! اسے تو ہم بھول... ارے باپ رے۔‘‘ انسپکٹر جمشید بری طرح اچھل پڑے۔

’’اب کیا ہوا ابا جان۔‘‘ وہ گھبرا گئے۔

’’پروفیسر داؤد... انہیں تو ہم بھول ہی گئے... وہ بھی تو کسی الجھن میں تھے۔‘‘

’’اوہ... اوہ۔‘‘

’’آؤ چلیں۔‘‘

اور انہوں نے گاڑی کا رخ تجربہ گاہ کی طرف کردیا... گاڑی پوری رفتار پر چھوڑ دی:

تجربہ گاہ کے دروازے پر انہیں تالا نظر آیا... باہر کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا... نہ پولیس کے جوان نظر آئے... انہیں بہت حیرت ہوئی... انہوں نے موبائل پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی... لیکن موبائل بند تھے:

’’اللہ اپنا رحم کرے... پے در پے پریشان کن

واقعات پیش آ رہے ہیں... لگتا ہے، اس بار کا مجرم ہمارے سر
گھما دے گا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اللہ مالک ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر انسپکٹر جمشید تجربہ گاہ کے نزدیک واقع ایک کوٹھی کی
طرف بڑھ گئے... یہ کوٹھی تجربہ گاہ سے کافی دور تھی... لیکن
تجربہ گاہ کے دروازے سے نظر آتی تھی... محمود نے دستک دی
تو ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا، اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی
طرف دیکھا:

"آپ پروفیسر داؤد صاحب سے تو واقف ہوں
گے۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے... وہ میرے بہت
اچھے پڑوسی ہیں۔"

"تجربہ گاہ کے دروازے پر تالا نظر آ رہا ہے اور ایسا
زندگی میں پہلی بار دیکھنے میں آ رہا ہے... کیا آپ کچھ بتا سکتے
ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں... چند گھنٹے پہلے میرے پاس آئے
تھے... انہوں نے بتایا تھا کہ ایک تفریحی مقام پر جا رہے ہیں

... تمام ملازمین اور پولیس مینوں کو چھٹی دے دی ہے... اس
لیے تجربہ گاہ کے دروازے پر تالا لگا دیا ہے... کوئی آ کر
پوچھے تو بتا دیں۔"

"اور تفریحی مقام کا پتا بتایا انہوں نے۔"

"جی نہیں... میں نے پوچھا تھا... کہنے لگے... میں
کسی کو بتا کر نہیں جا رہا... بس کچھ وقت اس طرح گزارنا چاہتا
ہوں کہ کوئی روکنے والا نہ ہو... ٹوکنے والا نہ ہو... بس میں
ہوں... میری بچی ہو... اور تجربہ گاہ کے اندرونی ملازم
ہوں۔"

"گویا وہ اندرونی ملازمین کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں... میں نے انہیں جاتے ہوئے
نہیں دیکھا... صرف وہ بات بتا رہا ہوں... جو انہوں نے بتائی
تھی۔"

ان کے سر گھوم گئے... آخر وہ تجربہ گاہ کے دروازے
پر آئے... اپنی چابی سے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے...
انہوں نے گھوم پھر کر تجربہ گاہ کا اور رہائشی حصے کا جائزہ لیا...
کہیں کسی افراتفری اور گڑبڑ کے آثار نہیں تھے:

''یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔''

''لیکن بھئی ... کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہے ... لہٰذا باریک بینی سے جائزہ لینا ہوگا۔'' وہ بولے۔

انہوں نے غور سے ایک ایک کمرے اور ایک ایک چیز کو دیکھا، پروفیسر داؤد اور شائستہ کے سونے کے کمرے میں انہیں میز پر تین گلاس نظر آئے ... تیسرا گلاس دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی ... تینوں گلاسوں کے پیندے میں پینے کی کوئی چیز بہت معمولی مقدار میں بچی ہوئی تھی:

''تیسرے گلاس کا مطلب ہے ... کوئی ان سے ملنے کے لیے آیا تھا۔''

''جی ہاں! بالکل یہی بات ہے ... ورنہ پروفیسر انکل اور شائستہ اس قدر با اصول ہیں کہ میز پر اس طرح کوئی گلاس نہیں چھوڑ سکتے ... دو آدمیوں کے لیے تین گلاس آ ہی نہیں سکتے تھے ...'' فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''دوسری بات ... دونوں چائے اور کافی پینے کے علاوہ کوئی چیز پینا پسند نہیں کرتے ... جب کہ ان گلاسوں میں کوئی اور چیز ہے ...''

''خیر ہم اس کا تجزیہ کرا لیتے ہیں ... دوسری بات تیسرے گلاس پر انگلیوں کے نشانات بھی ہو سکتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک۔'' ان کے لہجے میں جوش آ گیا۔

اب انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے ... سلسلہ ملتے ہی وہ بولے:

''اکرام ... تم ذرا اپنے ماتحتوں اور فنگر پرنٹ سیکشن کے ساتھ بلکہ اپنے ریکارڈ کے ساتھ فوری طور پر تجربہ گاہ آ جاؤ ... پروفیسر صاحب سب لوگوں کے سمیت غائب ہیں۔''

''ارے باپ رے۔''

جلد ہی اکرام سب لوگوں کے ساتھ پہنچ گیا ... سب سے پہلے گلاسوں پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے ... اکرام نے فوراً کہہ دیا:

''تیسرے گلاس پر اس شخص کے نشانات موجود ہیں۔''

''اب ذرا جلدی سے ریکارڈ میں ان نشانات کو چیک کر لو۔''

''جی ابھی لیجیے۔''

اکرام اور اس کے ماتحت اس کام میں مصروف ہو

گئے۔ آخر پندرہ منٹ بعد اکرام ان کی طرف آیا... اس کے
چہرے پر فکرمندی کے آثار صاف نظر آ رہے تھے:

''لگتا ہے... تمہارے پاس کوئی پریشان کن خبر
ہے۔''

''جی... جی ہاں... پروفیسر صاحب کو شنکیا تک نے
اغوا کیا ہے۔''

''شنکیا تک...'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''جی ہاں... ایک بین الاقوامی جاسوس... لیکن عام
طور پر یہ انشارجہ کے لیے کام کرتا ہے...''

''اور ہمارے ملک میں اس کا ٹھکانا کہاں ہے۔''

''نیلی جھیل کے کنارے ایک بہت بڑا بنگلہ ہے... یہ
ہمیشہ وہاں ٹھہرتا ہے... لیکن ہم اسے چیک نہیں کر سکتے
... کیونکہ اس کے پاس انشارجہ کے صدر کی طرف سے بہت
خاص ہدایات ہیں... اور ہماری حکومت ان ہدایات کو ماننے کی
پابند ہے۔''

''پابند کیسے ہے۔''

''جب حکومت انشارجہ سے قرض لیتی ہے... تو اس قسم

ی ان گنت باتیں انشارجہ تحریری طور پر منواتا ہے۔''

''اُف مالک... خیر... ہم نیلی جھیل جا رہے ہیں۔''

''اس کی حدود میں جانے والوں کو بے دھڑک گولی مار
ی جاتی ہے۔''

''کیا کہا۔'' وہ چلائے۔

''حدود سے باہر ایک بورڈ نصب ہے... ہماری
کومت کی طرف سے ہے... اس پر لکھا ہے... یہ ممنوعہ علاقہ
ہے... لہٰذا داخل ہونے والے کو گولی ماردی جائے گی... اور
س سلسلے میں کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتے گی...''

''اوہ اچھا خیر... ہم دیکھیں گے کہ اس عمارت میں
س طرح داخل ہو سکتے ہیں۔''

''ایسا کرنا خطرناک ہو سکتا ہے سر۔'' اکرام نے
یشان ہو کر کہا۔

''لیکن بھئی... پروفیسر داؤد غائب ہیں... اور اس
غوا کا سلسلہ اس عمارت تک چلا گیا ہے... میرا مطلب ہے
نکیا تک تک چلا گیا ہے... اور وہ بین الاقوامی جاسوس ہے...
س پر بھی ہمارے ملک میں ہماری حکومت کی مرضی سے رہتا

ہے... کیا یہ بات خوفناک نہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے غصیلے
میں کہا۔

''بے شک ہے... لیکن ہمیں بہت احتیاط سے کام
ہوگا۔''

''تم فکر نہ کرو... اور ہاں! ان تین کی کیا رپور
ہے۔''

''وہ ہوٹل امبرا سے غائب ہیں... مجھے افسوس ہے۔''
''یہ کیا بات ہوئی... ان کی تو سادہ لباس والے نگرا
کر رہے تھے۔''

''جی ہاں! لیکن انہوں نے ان تینوں کو کمرے سے نکل
نہیں دیکھا۔''

''تب پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ غائب ہیں۔''
''اس طرح کہ ان کے کمرے کا دروازہ مستقل طور پ
بند رہا ہے... کسی ضرورت کے تحت بھی دروازہ نہیں کھولا گ
... جب کہ ایسا ہونا ممکن نہیں... اس لیے... ہمارے ساتھیوں
نے ہوٹل کی انتظامیہ سے رابطہ قائم کیا... انہوں نے درواز
کھولا تو وہ تینوں اندر نہیں تھے... اب ظاہر ہے، اگر وہ غائب

ہیں تو کمرے کے راستے ہی گئے ہیں... لیکن سادہ لباس
والے انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکے... جب کہ ان کا کہنا ہے
کہ ایک لمحے کے لیے بھی انہوں نے دروازے پر سے نظر نہیں
ہٹائی... یعنی ایک وقت میں ان میں سے ایک تو ضرور ہی
دروازے پر نظر جمائے رہا ہے... اور اس دروازے کے
علاوہ باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ ہم دیکھ نہیں رہے... خود ہوٹل کی
انتظامیہ بھی اس واقعے پر حیرت زدہ ہے۔''

''ہوں... خیر... وہ تین ہیں... اگرچہ خود کو ایک
ظاہر کرتے ہیں... یہاں رہتے ہوئے آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ
تو کھایا پیا ہے... میزوں اور کرسیوں کو ہاتھ لگائے ہیں... اس
لیے تم اس کمرے سے ان کی انگلیوں کے نشانات لے لو
... ہمارے کام آئیں گے۔''

''بہت بہتر سر۔''

''اور پروفیسر ڈان کی کوٹھی پر مقرر ساتھیوں نے ابھی
تک کوئی اطلاع دی یا نہیں۔''

''جی نہیں۔'' اس نے کہا اور پھر اپنے ماتحتوں کو
ہدایات دینے لگا۔

ادھر وہ اپنے طور پر کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ یہ ایک ڈبل کمرہ تھا...

''یہ لوگ جب یہاں ٹھہرنے کے لیے آئے تھے... تو کیا ان کے پاس سامان وغیرہ تھا؟'' انہوں نے ہوٹل کے ملازم سے پوچھا۔

''جی ہاں! ایک سوٹ کیس تھا...''

''اور ہم دیکھ رہے ہیں... وہ سوٹ کیس کمرے میں موجود ہے... گویا جاتے ہوئے وہ سوٹ کیس یہیں چھوڑ گئے ہیں... اسے کھول کر دیکھنا چاہیے۔''

''اور ایسا کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''اوہ ہاں... اس طرح تو بند حالت میں بھی یہ خطرناک ہو سکتا ہے... فوراً باہر نکل آئیں... پہلے اس سوٹ کیس کو چیک کرا لینا چاہیے۔''

وہ گھبرا گئے... سب کے سب باہر نکل آئے... اکرام کے ماتحت بھی انگلیوں کے نشانات کو بھول کر باہر آ گئے... پھر ہوٹل کی طرف سے دو ماہر وہاں آئے... انہوں نے اپنے

آلات کی مدد سے سوٹ کیس کو چیک کیا... پھر بولے:

''اس میں کوئی خطرناک چیز نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے... اسے کھول ڈالو بھئی۔''

ہوٹل کے ملازمین نے اب بھی ڈرے ڈرے انداز میں سوٹ کیس کھول ڈالا۔ اس میں کپڑے بھرے ہوئے تھے... کپڑوں کو الٹ پلٹ کر اور باہر نکال کر دیکھا گیا... کپڑوں کے نیچے انہیں ایک وڈیو کیمرہ نظر آیا... انہوں نے اس پر سے بھی نشانات اٹھا لیے... پھر اسے آن کر کے دیکھا... لی گئی کوئی فلم اس میں محفوظ تھی... انہوں نے کیمرہ اپنے قبضے میں کر لیا:

''اس فلم کو ہم گھر چل کر دیکھیں گے۔''

''تب پھر چلیے... پہلے گھر ہی چلتے ہیں...'' فاروق نے بے چینی ظاہر کی۔

وہ مسکرا دیے اور پھر اکرام کو ہدایات دیتے ہوئے ہوٹل امبرا سے نکل آئے... گھر پہنچتے ہی انہوں نے لائبریری کا رخ کیا... بیگم جمشید نے جھلا کر کہا:

''یہ کیا... آخر کھانا کب کھایا جائے گا۔''

''پہلے ہم ایک فلم دیکھیں گے... اس کے بعد کھانا

کھائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

'' حد ہوگئی ... ہے کوئی تک ... اب آپ فلمیں بھی دیکھنے لگے ہیں۔''

'' ہاں بیگم ... مجبوری ہے۔''

'' بھلا اس میں مجبوری کہاں سے ٹپک پڑی۔''

'' امی جان مجبوری کا کیا ہے ... وہ تو کہیں سے بھی ٹپک پڑسکتی ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

'' حد ہوگئی ... توبہ ہے تم سے۔'' یہ کہ کر انہوں نے پاؤں پٹخے اور باورچی خانے میں چلی گئیں ... وہ مسکرادیے ... اب انہوں نے فلم لگائی ... اور سکرین پر نظریں جمادیں ...

پھر جونہی فلم شروع ہوئی ... اور پہلا منظر انہوں نے دیکھا ... پانچوں بہت زور سے اچھلے ... ان کی آنکھوں میں خوف سما گیا:

☆☆☆☆☆

یہ کیا؟''

'' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

وہ چونک اٹھے۔ دروازے کی طرف دیکھا تو ایک جیب وغریب سا آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں ڑ رہی تھیں ... اس کا قد لمبا تھا ... چہرہ بالکل گول تھا ... اسی رح آنکھیں بھی گول تھیں ... اسے دیکھ کر اُلو یاد تا تھا ... البتہ جسم پر لباس بہت قیمتی تھا ... انگلیوں میں شاید یروں کی انگوٹھیاں تھیں:

'' تشریف لائیے۔'' شوکی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ہا۔

وہ اندر آ گیا تو اس نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود

بھی بیٹھتے ہوئے بولا:

''آپ کی تعریف۔''

''جی بس! اب میں اپنی کیا تعریف کروں۔'' اس

بوکھلا کر کہا۔

''میرا مطلب ہے... آپ کا نام؟''

''اوہ اچھا... تو آپ نے میرا نام پوچھا ہے...

سنیں... میں جاوید ساہو ہوں۔''

''جاوید ساہو؟'' شوکی سوالیہ انداز میں بولا۔

''جی ہاں! یہی میرا نام ہے... ساہو ملز کا ما

ہوں۔''

''اوہو اچھا۔'' شوکی کے منہ سے مارے حیرت

نکلا۔

''خیر... فرمایئے... ہم آپ کی کیا خدمت کر

ہیں۔''

''مجھے ایک فون موصول ہوا ہے... فون کرنے وا

نے صاف ستھرے الفاظ میں کہا ہے کہ اس ماہ کی تین تاریخ

رات کے ٹھیک تین بجے آپ کو قتل کر دیا جائے گا... اور مزے

بات یہ کہ مہینا بھی تیسرا ہے۔''

''مطلب یہ کہ تیسرے مہینے کی، تین تاریخ کو تین
بجے۔'' شوکی بولا۔

''ہاں!''

''اور فون کرنے والے نے کیا کہا۔''

''اور بس! اس نے فون بند کر دیا۔''

''تب تو یہ کسی کا مذاق ہی ہوگا... آخر کسی کو کیا
ضرورت ہے آپ کو قتل کرنے کی۔''

''یہ تو خیر آپ نہ کہیں۔'' جاوید ساہو نے فوراً کہا۔

''چلیے... نہیں کہتا میں یہ... لیکن آپ کیا کہنا چاہتے
ہیں۔''

''میرے بہت سے دشمن ہیں... ان میں سے کوئی بھی
اس قسم کی دھمکی دے سکتا ہے۔''

''بہت سے دشمن... کیا مطلب؟''

''میری کپڑے کی مل ہے... اور میری مل کا کپڑا بہت
مشہور ہے، مارکیٹ میں اس کی اتنی مانگ ہے کہ دوسری ملوں
والے پریشان رہتے ہیں... یعنی کسی مل کا مالک میرے قتل کی

خواہش محسوس کر سکتا ہے... اس کے علاوہ میں ایک سیاسی پارٹی
کا بھی اہم ورکر ہوں... اور اس پارٹی کے لیے بہت کام کرتا
ہوں۔ اس کی مالی امداد بھی بہت کرتا ہوں... اس کے بدلے
میں وہ مجھے الیکشن لڑواتے ہیں... اس طرح میں خود اسمبلی کا ممبر
بھی ہوں... لہٰذا کوئی سیاست دان بھی مجھے ہلاک کرنے کی
خواہش کر سکتا ہے۔''

''ہوں... ہم سمجھ گئے... یہ فون آنے پر آپ نے
پولیس سے کیوں رابطہ نہیں کیا۔''

''میں نے رابطہ کیا ہے... انہوں نے رپورٹ درج
کر لی ہے... لیکن ظاہر ہے... ایک گمنام فون پر وہ کوئی
کارروائی تو کر نہیں سکتے۔''

''اور آپ کے خیال میں ہم ایک فون کال پر کیا کر سکتے
ہیں۔'' آفتاب نے منہ بنایا۔

''مجھے میرے ایک دوست نے آپ کے پاس آنے کا
مشورہ دیا ہے... وہ آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا
ہے...''

''آپ کے دوست کا نام۔''

''وکیل اکبر راٹھور۔''

''ارے! یہ تو ہمارے انکل ہیں۔''

''اور میرے یہ وکیل ہیں... میں نے اس فون کا ذکر
ان سے کیا تو انہوں نے مجھے آپ لوگوں سے ملنے کا مشورہ دے
ڈالا۔''

''اب تو ہمیں آپ کے کیس پر کام کرنا ہوگا...'' شوکی
نے جلدی سے کہا۔

''اور میں آپ کی فیس ایڈوانس ادا کرنے کے لیے
تیار ہوں۔''

''خیر اس کی تو...''

شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت
اندرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی... وہ سمجھ گئے... دستک
ان کی والدہ نے دی تھی... ایسے موقعوں پر وہ دروازے سے
آ کر لگ جاتی تھیں:

''جی امی جان!'' میں نے دروازے پر جا کر کہا۔

''خبردار شوکی... ایڈوانس فیس لینے سے انکار کیا تو
... جانتے نہیں... ان دنوں ہمارے مالی حالت کس قدر خراب

ہے۔''

''اوہ ہاں... اچھا۔'' میں نے دبی آواز میں کہا... آواز تو خیر اس کی والدہ کی بھی نیچی ہی تھی... اور ملاقاتی کے کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی۔''

پھر شوکی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا:

''ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''ایڈوانس فیس کی بات ہو رہی تھی... فیس کی ادائیگی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں... آپ فی الحال یہ 50 ہزار رکھ لیں ... بقیہ بعد میں ادا کر دوں گا۔''

''جی! کیا کہا... پپ... پچاس ہزار روپے ایڈوانس ؟'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں! کیوں... کیا یہ کم ہیں... خیر ایک لاکھ ایڈوانس لے لیں۔''

''نہیں نہیں... میرا یہ... میں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہنا چاہا... لیکن عین اسی لمحے زوردار انداز میں اندرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

''معاف کیجیے گا۔''

یہ کہہ کر شوکی دروازے پر چلا آیا اور دبی آواز میں بولا:

''جی امی جان! فرمایئے۔''

''پاگل نہ بنو... گھر آئی دولت کو ٹھکرایا نہیں کرتے ... ایک لاکھ ایڈوانس لے لو... جب ان کے پاس بے تحاشہ دولت ہے تو اس میں سے ہمارا حصہ بھی نکلنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے امی جان۔ آپ فکر نہ کریں۔''

یہ کہہ کر شوکی پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا...

''آپ ایسا کریں... یہ ایڈوانس بہت زیادہ ہے... بس دس ہزار دے دیں... کیونکہ یہ کوئی لمبا چوڑا کام نہیں ہے... ہمیں بس حملہ آور کا سراغ لگانا ہے... اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرے۔''

''ہاں! یہی بات ہے۔'' جاوید ساہو نے جلدی سے کہا۔

''بس تو پھر یہ کون سا بڑا کام ہے... ہم آسانی سے فون کرنے والے کا سراغ لگا کر آپ کو بتا دیں گے اور ہمارا کام

ہے۔''

''اوہ ہاں... اچھا۔'' میں نے دبی آواز میں کہا... آواز تو خیر اس کی والدہ کی بھی نیچی ہی تھی... اور ملاقاتی کے کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی۔''

پھر شوکی اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا:

''ہاں تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''ایڈوانس فیس کی بات ہو رہی تھی... فیس کی ادائیگی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں... آپ فی الحال یہ 50 ہزار رکھ لیں... بقیہ بعد میں ادا کر دوں گا۔''

''جی! کیا کہا... پپ... پچاس ہزار روپے ایڈوانس؟'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں! کیوں... کیا یہ کم ہیں... خیر ایک لاکھ ایڈوانس لے لیں۔''

''نہیں نہیں... میرا یہ... میں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہنا چاہا... لیکن عین اسی لمحے زوردار انداز میں اندرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

''معاف کیجیے گا۔''

یہ کہہ کر شوکی دروازے پر چلا آیا اور دبی آواز میں بولا:

''جی امّی جان! فرمایئے۔''

''پاگل نہ بنو... گھر آئی دولت کو ٹھکرایا نہیں کرتے... ایک لاکھ ایڈوانس لے لو... جب ان کے پاس بے تحاشہ دولت ہے تو اس میں سے ہمارا حصہ یہی نکلنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے امّی جان۔ آپ فکر نہ کریں۔''

یہ کہہ کر شوکی پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا...

''آپ ایسا کریں... یہ ایڈوانس بہت زیادہ ہے... بس دس ہزار دے دیں... کیونکہ یہ کوئی لمبا چوڑا کام نہیں ہے... ہمیں بس حملہ آور کا سراغ لگانا ہے... اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرے۔''

''ہاں! یہی بات ہے۔'' جاوید ساہو نے جلدی سے کہا۔

''بس تو پھر یہ کون سا بڑا کام ہے... ہم آسانی سے فون کرنے والے کا سراغ لگا کر آپ کو بتا دیں گے اور ہمارا کام

ختم... اس کے بعد تو پولیس کا کام شروع ہوگا۔''

''ہاں! ٹھیک ہے... بالکل ٹھیک... خیر یہ لیں دس ہزار روپے۔'' اس نے منہ بنایا... گویا دس ہزار روپے دینا اسے ناگوار گزرا تھا... میں نے نوٹ گنے اور جیب میں رکھ لیے۔

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔'' اس نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

''آپ چلیں... ہم تھوڑی دیر تک آپ کے ہاں آئیں گے... جائزہ لیں... آپ سے چند سوالات کریں گے اور بس۔''

''ٹھیک ہے... میں چلتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دفتر سے نکل گیا... اس وقت ہم نے دیکھا... دفتر سے قدرے فاصلے پر فٹ پاتھ سے لگا کر اس نے اپنی کار کھڑی کر رکھی تھی... پہلے ہم اس کار کو نہیں دیکھ سکے تھے... جونہی اس کی کار سٹارٹ ہوئی، اندرونی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھل گیا... انہوں نے دیکھا... ان کی والدہ کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں:

''یہ کیا کیا بے وقوف... وہ ایک لاکھ دے رہا تھا... اور تم نے کتنے لیے... صرف دس ہزار... یہ کوئی تک...''

''امی جان! یہ کوئی اور چکر ہے... ہم اس شخص کے جال میں نہیں پھنسنا چاہتے... اس لیے بڑی رقم نہیں لی... ابھی ہم تیل دیکھیں گے، تیل کی دھار دیکھیں گے... پھر معاوضہ طے کریں گے... یہ دس ہزار تو اس بات کے لیے ہیں کہ ہم اس کے گھر معائنہ کریں گے...''

''کک... کیا واقعی؟'' ان کی آنکھوں کی سرخی قدرے کم ہوگئی۔

''ہاں امی جان... اور کیا... یہ ہمارے خلاف کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے... ہم دس ہزار جیب میں ڈال کر جائیں گے... کوئی گڑبڑ محسوس ہوئی تو دس ہزار آسانی سے واپس کر سکیں گے... جب کہ ایک لاکھ روپے واپس کرنا آسان نہ ہوتا۔''

''شوکی تم نے بالکل ٹھیک کیا...'' ان کے والد نے جلدی سے کہا۔

''اچھا خیر... لیکن تم ہاتھ آئی دولت کو واپس نہیں کرو

گے۔'' انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

''اب اگر کوئی ضرورت سے زیادہ معاوضہ دے تو وہ ہم کیسے لے لیں... روزی تو حلال ہی اچھی ہوتی ہے۔'' شوکی مسکرایا۔

''یہ ٹھیک کہ رہے ہیں بیگم... آؤ اندر چلیں۔'' ابا جان نے کہا اور انہیں کندھوں سے پکڑ کر اندر کی طرف موڑ دیا...

''آؤ چلیں۔'' شوکی بولا۔

''تو اس کے ساتھ گاڑی میں چلے جاتے...'' آفتاب نے منہ بنایا۔

''نہیں... راستے میں ہم اس سلسلے میں بات کرتے جائیں گے... جس قدر سیدھا سادا یہ معاملہ نظر آتا ہے... اتنا سیدھا ہے نہیں... اس میں ضرور کوئی گھما پھراؤ ہے۔'' شوکی نے فکر مند ہو کر کہا۔

''اللہ اپنا رحم فرمائے... آپ تو کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آرہے ہیں۔''

''ہاں! مجبوری ہے۔'' شوکی نے منہ بنایا پھر بولا:

''ایک گمنام فون پر کوئی بھی اس طرح رقم خرچ نہیں کرتا... پہلا کام یہ کیا جاتے ہے کہ پولیس کو اطلاع دی جاتی ہے... اور اپنے گن مین مقرر کر لیے جاتے ہیں... جب کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے... پولیس کو اطلاع دینے کے بعد سیدھا ہمارے پاس چلا آیا... آخر کیوں...''

''اس کی طرف جا رہے ہیں... پوچھ لیں گے۔''

اور پھر وہ جاوید ساہو کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر ٹیکسی سے اترے۔ شوکی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی... جلد ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی نے دروازہ کھولا... اس کے جسم پر قیمتی لباس تھا... گویا باہر آنے والا ملازم نہیں تھا... اس نے ان چاروں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر بولا:

''فرمایئے... کیا چاہتے ہیں۔''

''ہمیں جاوید ساہو صاحب سے ملنا ہے۔''

''آپ درست جگہ پہنچے۔'' اس نے کہا۔

''تو پھر مہربانی فرما کر انہیں اطلاع دے دیں... شوکی برادرز آئے ہیں۔''

''اطلاع دینے کی [illegible] نہیں۔'' وہ بھرپور انداز

میں مسکرایا۔

''جی... وہ کیوں... یہ آپ نے کیا کہا۔'' شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

''مطلب یہ کہ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔''

''تو پھر آپ کے خیال میں حیران ہونے والی بات کون سی ہے؟'' آفتاب نے اور زیادہ حیران ہو کر پوچھا۔

''دیکھیے نا... آپ نے دروازے کی گھنٹی بجائی... میں باہر نکلا... آپ نے مجھ سے کہا ہمیں جاوید ساہو سے ملنا ہے... لہٰذا انہیں اطلاع دے دیں... اب آپ کہہ رہے ہیں... اس میں اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے... اور ہم کہہ رہے ہیں، یہ بات کیا ہوئی۔''

''یہ بات اس طرح ہوئی کہ میں ہی جاوید ساہو ہوں۔''

''کیا!!! نہیں!!!''

وہ سب ایک ساتھ چلائے۔ مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں:

☆☆☆☆☆

واردات

چند لمحے وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ آخر شوکی نے کہا:

''کیا کہا آپ نے... آپ جاوید ساہو ہیں۔''

''ہاں! بالکل ہوں... آپ کو اس پر حیرت کیوں ہے...'' اس نے بھنا کر کہا۔

''اس لیے کہ ہم سے کچھ ہی دیر پہلے ایک صاحب ملنے کے لیے آئے تھے... انہوں نے اپنا نام جاوید ساہو بتایا تھا۔''

''کیا!!!'' مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں جناب! اور اپنا پتا بھی یہ بتایا تھا۔''

''نن... نہیں۔'' اس نے کہا۔

''وہ ہم سے ایک کام لینا چاہتے تھے... اس کام کے لیے انہوں نے ہمیں ایڈوانس رقم بھی دی تھی... ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ گھر پہنچیں... ان کے پیچھے ہی ہم پہنچتے ہیں... اب ہم یہاں آئے ہیں تو اس گھر سے وہ تو نکلے ہی نہیں... بتائیں... ہمیں اس پر حیران ہونا چاہیے یا نہیں۔''

''ہوں... صرف آپ ہی کو نہیں... مجھے بھی حیران ہونا چاہیے۔''

''اب ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں... کہ وہ ہمارے پاس کیوں آئے تھے... کیونکہ اس معاملے میں بہر حال آپ کا بھی کوئی نہ کوئی تعلق ضرور نکلے گا... آپ کا نام جو اس نے استعمال کیا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں... یہ ضرور میرے خلاف کوئی چکر ہے۔''

''تو کیوں نہ ہم بیٹھ کر بات کر لیں۔''

''ضرور... کیوں نہیں... میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔''

اور پھر وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے... انہوں نے

ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔

''یہ اچھی بات ہے... اب اس شخص کے بارے میں بتائیں۔''

''کیا آپ ساہولمز کے مالک ہیں۔''

''ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔''

''اس نے یہ بھی بتایا تھا... یعنی کہا تھا کہ وہ ساہولمز کا مالک ہے۔''

''ارے باپ رے... جاوید ساہو بوکھلا اٹھا۔

''کیوں! کیا ہوا...'' شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

''ساہولمز کا مالک میں ہوں۔''

''اوہو اچھا... یہ تو بہت عجیب بات ہوگئی اور وہ شخص آپ کے پاس آیا کیوں تھا۔''

''اس نے بتایا تھا کہ اسے ایک گمنام فون آیا ہے... فون کرنے والے نے کہا ہے کہ اسے اس ماہ کی تین تاریخ کو رات کے ٹھیک تین بجے قتل کر دیا جائے گا... مطلب یہ کہ مہینا بھی تیسرا... یعنی مارچ کا اور کل تین تاریخ ہے۔''

''نن نہیں۔'' وہ چلا اٹھا... اس کی آنکھوں میں خوف

سما گیا۔

''ہاں! آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہے... کیونکہ وہ شخص تو جاوید ساہو تھا ہی نہیں... جاوید ساہو تو آپ ہیں ... گویا وہ یہ پیغام دینے آیا تھا... اور ہم نے اس کا پیغام آپ تک پہنچا دیا... اب اس میں سمجھ میں نہ آنے والی بات یہ ہے کہ اس نے ہمیں ایڈوانس رقم کیوں دی... صرف اتنی سی بات کے لیے کہ ہم اس کے اس معاملے کو دیکھ لیں...''

''میں... میں حد درجے خوف محسوس کر رہا ہوں... سوال یہ ہے کہ اب میں کیا کروں۔''

''آپ پولیس سے رابطہ کرلیں۔''

''سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس کیوں آیا تھا۔''

''ہم پرائیویٹ جاسوس ہیں... اس قسم کے معاملات کے لیے لوگ ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔''

''تب پھر میرے لیے بھی آپ اس معاملے کو دیکھ لیں۔''

''وہ تو خیر ہم کرلیں گے... لیکن... پولیس سے تو آپ کو رابطہ کرنا ہی ہوگا... ان کے علم میں یہ بات آجانی

چاہیے۔''

''اچھی بات ہے... میں ابھی انسپکٹر شاکر کو فون کرتا ہوں... وہ یوں بھی میرے دوست ہیں۔''

''یہ اور اچھی بات ہے... آپ اندر آجائیں۔''

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا... اب اس نے فون پر نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے پر بولا:

''انسپکٹر شاکر صاحب... جاوید ساہو بول رہا ہوں... ایک بہت ہی عجیب وغریب اور پریشان کن معاملہ پیش آیا ہے... ہاں... مہربانی فرما کر آپ فوراً آنے کی کوشش کریں۔''

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا... اور ان سے بولا:

''انسپکٹر شاکر آرہے ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے... ہم ان کا انتظار کرلیتے ہیں۔''

''اس شخص کا حلیہ کیا تھا؟'' جاوید ساہو نے کچھ خیال آنے پر کہا۔

''وہ درمیانے قد کا گول مٹول سا آدمی تھا۔''

وہ سوچ میں ڈوب گیا... شاید سوچ رہا تھا کہ اس طر
کے کس شخص کو وہ جانتا ہے... پھر کافی دیر گزر گئی... آ
دروازے کی گھنٹی بجی... وہ فوراً اٹھا اور باہر نکل گیا... واپ
لوٹا تو اس کے ساتھ ایک پولیس آفیسر تھے...

''مجھے انسپکٹر شاکر کہتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''اور ہم شوکی برادرز ہیں۔''

''آپ کا ذکر سنتا رہتا ہوں... جاوید ساہو میر
بہت اچھے دوست ہیں... اب بتایئے... کیا معاملہ ہے۔''

شوکی نے تفصیل سنادی... وہ بغور سنتے رہے... ا
کے خاموش ہونے پر بولے:

''صورت حال سنسنی خیز ہے... میں خوف محسوس کرر
ہوں۔''

''بس تو پھر آپ ان کی حفاظت کے انتظامات کریں۔''

''وہ تو جو مجھ سے ہو سکے گا، کروں گا... آپ کا ذہ
کیا کہتا ہے۔''

''اس پراسرار شخص کا آنا بلاوجہ نہیں... اس نے ہمیں
دس ہزار روپے بطور فیس بھی ادا کیے ہیں... جاوید ساہو صاحب

فیس ادا کرتے تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی... لیکن اس نے کیوں
دس ہزار اپنے ضائع کیے... یہاں تک ہمیں بھیجنا تھا اور جاوید
ساہو صاحب کو یہ خبر سناتا تھی... تو یہ کام تو ہم بغیر ایڈوانس فیس
کے بھی کر سکتے تھے۔''

''یہ باتیں بہت عجیب ہیں... پریشان کن ہیں... لیکن
سمجھ میں نہ آنے والی ہیں...'' انسپکٹر شاکر بے چارگی کے عالم
میں بولے۔

''تب پھر ہم اس کیس پر مل کر کام کریں گے... کل
مارچ کی تین تاریخ ہے... رات کے تین... ارے...''
شوکی کہتے کہتے رک گیا... اسے ایک اور خوفناک خیال آیا تھا۔

''اب کیا ہوا؟'' جاوید ساہو نے گھبرا کر کہا۔

''تاریخ تو رات کے بارہ بجے بدل جاتی ہے... آج
رات بارہ بجے کے بعد تین مارچ شروع ہو جائے گی... گویا وہ
رات آج ہی کی رات ہے۔''

''کیا!!!'' جاوید ساہو چلا اٹھا۔

''بالکل یہی بات ہے... اس نے گویا آج کی رات
ہی کی نشان دہی کی ہے۔''

"میں خود یہاں موجود رہوں گا... چھ سات کانسٹیبل بھی مقرر کردیتا ہوں... آپ لوگ بھی یہیں رہیں گے... آپ کو دس ہزار تو مل ہی چکے ہیں... وہ آپ ہی رکھ لیں... باقی جاوید صاحب بھی غریب آدمی نہیں ہیں... یہ بھی آپ کو معاوضہ دیں گے۔"

"لیکن۔" شوکی نے کہا۔

"لیکن کیا؟"

"یہ معاملہ کیا ایک رات کے بعد ختم ہو جائے گا۔"

"اوہ ہاں! یہ بات بھی غور طلب ہے۔"

"مطلب یہ کہ اس معاملے کا سراغ لگانا ہوگا... اور اصل بات ہمیں وہی شخص بتا سکے گا جو ہمارے پاس آیا تھا... اسے تلاش کرنا ہوگا۔"

"اوہ ہاں واقعی۔"

"میں آپ کو اس کا حلیہ لکھوا دیتا ہوں... آپ یہ حلیہ ہر پولیس اسٹیشن کو بھیج دیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے تفصیلی حلیہ لکھوا دیا... پھر ایک خیال آنے پر

انہوں نے انسپکٹر کاشان کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر اس نے کہا:

"انکل ایک پراسرار معاملہ ہے... آپ ذرا ایک حلیہ لکھ لیں... اور اس حلیے کے آدمی کو ریکارڈ میں تلاش کروائیں... ویسے پولیس اسٹیشنوں کو یہ حلیہ بھجوایا جا رہا ہے۔"

"بات کیا ہے شوکی۔" انسپکٹر کاشان نے پریشان ہو کر کہا۔

اس نے انہیں بھی ساری تفصیل سنا دی... اس کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا:

"تم فکر نہ کرو شوکی... میں اس کیس پر ابھی اور اسی وقت کام شروع کر رہا ہوں... جونہی اس شخص کا کوئی سراغ ملے گا... میں تمہیں فون کر دوں گا، انسپکٹر شاکر صاحب کو میرا سلام دینا۔"

"جی اچھا۔"

اور انہوں نے فون بند کر دیا... انسپکٹر شاکر نے حیران ہو کر ان سے پوچھا:

''اب آپ نے کسے فون کیا تھا۔''

''انسپکٹر کاشان کو... وہ ہمارے انکل ہیں۔''

''میرے بھی دوست ہیں... اور ریکارڈ کے ماہر خیال کیے جاتے ہیں.. آپ نے بہت اچھا کیا شوکی صاحب۔''

''شکریہ جناب۔''

اور پھر رات ہوگئی... وہ ہوشیار ہو گئے... انسپکٹر شاکر کے کانسٹیبل کوٹھی کے باہر گشت کرنے لگے... ایک ایک منٹ ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا...

اور پھر تین بج گئے... رات کے تین... تیسرے مہینے کی تین تاریخ کے تین بج گئے... ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے... ایسے میں جاوید ساہو تڑ سے گرا اور ساکت ہو گیا...

وہ بڑی طرح اچھلے... ان کے منہ سے نکلا:

''ارے ہائیں! یہ کیا ہوا۔'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر وہ جاوید ساہو پر جھک گئے... انہوں نے اس کی نبض چیک کی... دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی

... اس وقت انہیں یہ خوفناک حقیقت معلوم ہوئی کہ جاوید ساہو اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا...

وہ دھک سے رہ گئے... کتنے ہی لمحے وہ خالی خالی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے... جیسے سوچ رہے ہوں... اب کیا بات کریں... بات کرنے کے لیے ان کے پاس رہ ہی کیا گیا تھا... ان کے سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ وہ سب مل کر کچھ نہیں کر سکے تھے...

اور قاتل نے وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی اپنا کام کر دکھایا تھا...

اب سوال یہ تھا کہ کیسے... اس نے اپنا کام کیسے کیا تھا... وہاں تو ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا... کمرے کا دروازہ بھی بند تھا:

''حیرت انگیز ترین... خوفناک ترین... سمجھ میں نہ آنے والی بات۔'' انسپکٹر شاکر بولا۔

''پوسٹ مارٹم کے بغیر شاید ہم پتا نہ چلا سکیں... کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی ہے...''

''ہاں ٹھیک ہے... میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔''

''تب پھر ہم چلتے ہیں... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آئے گی تو ہم آپ سے فون پر پوچھ لیں گے۔''

‘‘ٹھیک ہے۔’’

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ آفتاب بہت زور سے اچھلا، مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھر اس کے منہ سے نکلا:

‘‘نن... نہیں... نہیں۔’’

☆☆☆☆☆

لپیٹ

‘‘کیا ہوا بھئی ... کیا نظر آگیا۔’’ شوکی نے اسے گھورا۔

‘‘س... سوئی۔’’

‘‘سوئی... کہاں ہے سوئی... کیسی سوئی۔’’ اشفاق بولا۔

‘‘کم از کم میں کپڑے سینے والی سوئی کی بات نہیں کر رہا۔’’ آفتاب جھلا اٹھا۔

‘‘وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں... کس سوئی کی بات کر رہے ہو۔’’

‘‘یہ رہی گردن میں... اس کا صرف پچھلا سرا گردن

سے باہر رہ گیا ہے... باقی حصہ گردن میں دھنس چکا ہے... اور اس کا مطلب ہے... اس سوئی کے ذریعے جاوید ساہو کو قتل کیا گیا ہے۔''

''غلط... بالکل غلط۔'' انسپکٹر شاکر نے فوراً کہا۔

''کیا مطلب جناب... آپ کس بات کو غلط کہہ رہے ہیں۔''

''یہ قتل ہماری موجودگی میں ہوا ہے... اور یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور نہیں تھا... تب پھر کسی نے سوئی کیسے پھینک دی... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ قاتل میں یا آپ لوگوں میں سے کوئی ہے... لیکن ہم لوگ تو ان کی زندگی بچانے کی فکر کر رہے تھے... ہمارا اس قتل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اب رہ گیا وہ دشمن... جو آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آیا تھا... اس کا اس قتل سے ضرور تعلق ہے... کیونکہ یہ خبر اسی نے سنائی تھی کہ جاوید ساہو کو تیسرے ماہ کی تین تاریخ کو رات کے ٹھیک تین بجے قتل کر دیا جائے گا... اور بالکل اسی طرح ہوا، لہٰذا اس کا تعلق اس قتل سے ضرور ہے... لیکن وہ بھی یہاں نہیں تھا... پھر آخر یہ سوئی جاوید ساہو کی گردن میں کس نے پیوست کی۔'' انسپکٹر شاکر

کہتے چلے گئے۔

اب وہ سب ساکت تھے... سوچ کے طوفان نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا... ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی... آخر کافی دیر بعد شوکی نے سر اٹھایا اور بولا:

''اس کا جواب صرف اور صرف ایک ہے۔''

''اور وہ کیا...'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''یہ کہ جاوید ساہو نے یہ سوئی اپنی گردن میں خود پیوست کی ہے۔''

''یہ... یہ کیسے ممکن ہے... بھلا یہ کیوں خودکشی کرتے... یہ تو بہت خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے...''

''وہ الگ بات ہے... لیکن آپ غور کر لیں... اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی... یا پھر یہ تسلیم کریں کہ سوئی آپ نے ان کی گردن میں پیوست کی۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' اس نے منہ بنایا۔

''اور ہمیں بھی۔'' شوکی مسکرایا۔

''آخر یہ کیسے ممکن ہے... ایک بالکل صحت مند اور پرسکون زندگی گزارنے والا اس طرح آرام سے بیٹھے بٹھائے

زہر کی سوئی اپنی گردن میں اتار دے، یہ بات میرے حلق سے
نہیں اتر رہی۔''

''اتر تو ہمارے حلق سے بھی نہیں رہی... لیکن بہر حال
ہمیں یہ بات حلق سے اتارنا ہوگی... کیونکہ ہوا یہی ہے...
انہوں نے یہ سوئی خود ہی گردن میں چبھوئی ہے۔''

''اللہ اپنا رحم کرے... اب ہمارے لیے مسئلہ
ہے... ان کے گھر والوں کو یہ خوفناک خبر سنانے کا... پھر
پوسٹ مارٹم کے لیے لاش لے جانے کا۔''

''جی ہاں! یہ کام آپ کو کرنا ہوگا... ہمیں تو جاوید
سا ہو... میرا مطلب، اس شخص سے ہے... جو ہم سے ملنے کے
لیے آیا تھا... ہمیں اس کی تلاش میں نکلنا ہے، کہیں وہ دور نہ نکل
جائے۔''

''اور میرا ایک اندازہ ہے۔'' ایسے میں آفتاب نے
کہا۔

''کیسا اندازہ؟'' وہ اس کی طرف مڑے۔

''وہ شخص اس کوٹھی کے آس پاس ہی کہیں موجود
دگا... کیونکہ وہ بھی تو یہ جاننا چاہتا ہوگا کہ اس نے جو کام کیا

ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔''

''بالکل ٹھیک آفتاب... تم نے بہت پتے کی بات
تائی... تم ایسا کرو کہ کوٹھی کی چھت پر چلے جاؤ... اور چاروں
طرف ذرا دور دور تک دیکھ ڈالو۔ وہ کھڑا ہے یا نہیں۔''

''میں جا رہا ہوں... ہمیں یہ کام اب سے بہت پہلے کر
نا چاہیے تھا۔ کہیں وہ چلا نہ گیا ہو۔''

''ابھی اس قتل کی خبر کمرے سے باہر نہیں نکلی... ابھی تو
ھر کے افراد کو بھی معلوم نہیں ہوا... لہٰذا وہ چلا کیسے گیا
گا... شوکی نے بڑا سا منہ بنایا۔

اور پھر آفتاب باہر نکل گیا...

''اس میں شک نہیں... آپ لوگ حیرت انگیز ہیں...
خیال مجھے شاید کبھی نہ آتا۔''

''یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔''

جلد ہی آفتاب کی واپسی ہوئی... اس کے چہرے پر
ی ہی جوش تھا:

''حیرت ہے... کمال ہے... وہ باہر موجود ہے۔''

''وہ مارا... انسپکٹر صاحب... ہم اس کے تعاقب میں

جا رہے ہیں...''

''آپ گھر والوں کو اس دردناک سانحے کی خبر

دیں... رونے دھونے کی آواز سن کر وہ یہاں سے چل د

... اور ہم اس سے پہلے اس کا تعاقب کرنے کے لیے تیار رہو

ہوں گے... ہم اس سے کچھ فاصلے پر غیر محسوس طور پر پہنچ کر

ٹیکسی پکڑ لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے... مہربانی فرما کر موبائل پر رابطہ رکھنا

''افسوس! اس وقت ہم میں سے کسی کے موبائل

بیلنس نہیں ہے...''

''ایزی لوڈ کرا لیں... اپنے نمبر مجھے نو

کرا دیں... جلدی کریں۔''

اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا... جلد ہی وہ کوٹھی

باہر ایک ٹیکسی میں بیٹھے تھے... اور دور کھڑا وہ شخص انہیں صا

نظر آرہا تھا... جوان سے ملنے کے لیے آیا تھا... نزدیک

اس کی کار کھڑی نظر آئی۔

پھر کوٹھی میں ہل چل شروع ہو گئی... بھاگ دو

آنے لگی... رونے کی آوازیں دور سے تو خیر سنائی نہیں

رہی تھیں... لیکن کوٹھی کے آس پاس ضرور سنائی دے رہی

ہوں گی... جلد ہی انہوں نے پڑوسیوں کو گھروں سے نکل کر

جاوید ساہو کے دروازے کا رخ کرتے دیکھا... بس یہ دیکھتے

ہی وہ شخص کار میں جا بیٹھا... اب دونوں کی گاڑیاں آگے پیچھے

روانہ ہوئیں... درمیانی فاصلہ بھی مناسب تھا...

''دیکھیے... آپ بس اس کار کے پیچھے پیچھے رہیے

گا۔'' شوکی نے ڈرائیور سے کہا۔

''اچھی بات ہے... آپ فکر نہ کریں۔'' یہ کہتے ہوئے

ڈرائیور مسکرایا۔

''یہ کیا کہا آپ نے... فکر نہ کریں... اور ساتھ میں

آپ مسکرائے بھی... خیر تو ہے۔''

''جی ہاں! فکر نہ کریں... میں آپ لوگوں کو جانتا ہوں

... آپ کے کاموں سے بھی کسی حد تک واقف ہوں... آپ

دراصل اس گاڑی کا تعاقب کرنا چاہتے ہیں۔''

''بھئی واہ... اسے کہتے ہیں... چپڑی اور دو دو۔''

''چپڑی اور دو دو... کیا مطلب... یہ چپڑی کیا ہوتی

ہے۔'' ڈرائیور کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اوہ ہاں... یہ بھی ہے... نئے دور نے اور نئ
کی چیزوں نے پرانے محاورات کو اجنبی بنا دیا ہے... ا
محاورات اور ضرب الامثل اجنبی لگنے لگے ہیں۔''

''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں... اچھا دیکھیے...
تعاقب اس طرح کریں گے کہ اسے ذرا بھی شک نہ ہو...
کے لیے ہمیں درمیانی فاصلہ بڑھانا ہوگا۔''

''اس طرح اندیشہ رہے گا... کہیں وہ نظروں
اوجھل نہ ہو جائے۔ لہٰذا اسے شک ہوتا ہے تو... ہو جائے
آپ بس درمیانی فاصلہ اتنا ہی رکھیں۔''

''اچھی بات ہے... آپ کی مرضی... ورنہ میں
ماہر ڈرائیور ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ہمیں اس میں کوئی شک نہیں... لیکن ہم کوئی خ
مول لینے کے موڈ میں نہیں... ویسے بھی... ہمیں آخر
صاحب سے ملاقات تو کرنی ہے..''

''اوہ اچھا... تب تو ٹھیک ہے... بلکہ ان حال
میں تو ہم اس سے اور نزدیک ہو سکتے ہیں۔''

''نہیں خیر... اس قدر بھی نزدیک نہ ہوں... در

اپنے گھر جانے کا ارادہ ترک کر سکتا ہے... اور کسی اور سمت میں
نکل جائے گا۔''

''اوہ! اچھا۔''

تعاقب جاری رہا... پھر اگلی کار ایک بڑی سی عمارت
کے سامنے رک گئی... انہوں نے اس پراسرار شخص کو اتر کر اندر
جاتے دیکھا...

''بس! آپ ہمیں یہیں اتار دیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس نے کہا اور ٹیکسی روک دی۔

انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا... اس کا کرایہ ادا کیا
اور عمارت کی طرف قدم اٹھانے سے پہلے شوکی نے انسپکٹر کاشان
کے نمبر ملائے۔ انہیں صورتِ حال بتائی اور بولا:

''وہ سالاری کالونی کی عمارت نمبر **119** میں گیا ہے
اور اب ہم اس کے پیچھے اندر جا رہے ہیں۔''

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا... میں اس علاقے کے انسپکٹر
صاحب کو پہلے سارے معاملے کی خبر کر دوں اور وہ یہاں پہنچ
جائیں... پھر آپ لوگ اندر جائیں۔''

''ہمیں افسوس ہے... ہم رک نہیں سکتے... ایسا نہ

ہو... وہ عمارت کے کسی اور راستے سے نکل جائے اور ہم یہاں کھڑے منہ تکتے رہ جائیں۔''

''اچھی بات ہے... میں خود آ جاتا ہوں... متعلقہ افسر سے معذرت کر لوں گا۔''

''آپ ضرور آئیں... لیکن ہم انتظار نہیں کر سکتے... ہم جا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

فون بند کر کے وہ عمارت کی طرف بڑھے... ایسے میں آفتاب نے کہا:

''کیا یہ بہتر نہیں ہو گا... کہ ہم انکل کاشان کو بھی صورتِ حال بتا دیں۔ انسپکٹر شاکر کے بارے میں ہمیں زیادہ معلوم نہیں... نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔''

''یہ بات تو ہمیں انکل کاشان بھی بتا دیں گے... لیکن اب ہمیں رکنا نہیں چاہیے... اسے اندر گئے تین منٹ ہو چکے ہیں۔''

''ایسا نہ ہو، ادھر ہم اندر داخل ہوں اور ادھر کوئی واقعہ پیش آ جائے... لہٰذا کم از کم ان سے رابطہ تو قائم کر ہی

لیں۔'' آفتاب نے جلدی سے کہا۔

شوکی نے فوراً انسپکٹر کاشان کے نمبر ملائے اور عمارت کے دروازے کی طرف بڑھتا رہا... تینوں نے اس کے ساتھ قدم اٹھائے اور دروازے پر پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا، دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا... گویا اس نے اندر سے بند نہیں کیا تھا... انہوں نے پہلے تو ایک بار دستک دی... پھر اندر داخل ہو گئے... اندر انہیں یہ بورڈ نظر آیا:

''یہ عمارت کسی ایک شخص کی نہیں... اس کے مختلف حصے ہیں اور ان میں مختلف لوگ رہتے ہیں... لہٰذا پہلے کاؤنٹر سے معلومات لے لی جائیں۔''

بائیں طرف انہیں کاؤنٹر نظر آیا... اس کے پیچھے ایک شخص آنکھوں پر عینک لگائے بیٹھا تھا:

''السلام علیکم جناب۔'' شوکی نے باادب ہو کر کہا۔

''ہاں جی... کیا بات ہے۔''

''ہمارے پاس ایک صاحب کے دس ہزار روپے ہیں... وہ ہمیں انہیں لوٹانے ہیں... وہ اسی عمارت میں رہتے ہیں... لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں... کہ وہ کون سے حصے میں رہتے

ہیں۔''

''کوئی بات نہیں... آپ ان کا نام بتا دیں...'' اس نے کہا۔

''یہی تو مسئلہ ہے... ہم ان کا نام نہیں جانتے... ہاں... حلیہ بتا سکتے ہیں۔''

''چلیے حلیے بتا دیں۔'' وہ مسکرایا... اس کی مسکراہٹ عجیب سی تھی۔

شوکی نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا، لیکن اس وقت تک وہ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی... اور وہ معمول کے مطابق نظر آ رہا تھا... اس نے جلدی سے حلیہ بتا دیا... سنتے ہی اس نے کہا:

''میں سمجھ گیا... آپ چپا کیہ صاحب کی بات کر رہے ہیں... آیئے میں آپ کو ان کے پورشن تک پہنچا دوں۔''

''شش شکریہ۔'' شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

عین اس وقت انسپکٹر کاشان سے ان کا رابطہ ہو گیا... اس سے پہلے ان کا موبائل مصروف تھا۔

''ہاں شوکی... کیا بات ہے۔''

''سالاری کالونی نمبر 119۔'' اس نے دبی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب۔'' کلرک چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''کچھ نہیں... میں اپنے ایک دوست کو بتا رہا ہوں کہ ہم کہاں ہیں۔''

''اوہ اچھا...'' اس کے منہ سے نکلا۔

دوسری طرف انسپکٹر کاشان کہہ رہے تھے:

''کیا تم کسی مصیبت میں پھنس گئے ہو شوکی۔''

''ایسا لگتا ہے... آپ کچھ دیر بعد رابطہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے شوکی... تم فکر نہ کرو... میں سمجھ گیا ہوں... چند منٹ بعد اگر تم سے رابطہ نہ ہو سکا... تو میں یہاں آ جاؤں گا۔''

''بہت بہت شکریہ انکل۔''

اور اسی وقت کلرک نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا:

''مسٹر چپا کیہ اندر ہیں... آپ دستک دے کر چلے

جائیں۔''

یہ کہتے ہی کلرک واپس مڑ گیا:

''ہم... اندر داخل ہو رہے ہیں انکل... چپا کیہ نام ہے اس کا... کاؤنٹر کلرک نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے۔''

''ٹھیک ہے... چند منٹ بعد فون کروں گا۔''

انسپکٹر کاشان کے فون بند کرنے کے بعد شوکی نے دروازے پر دستک دے ڈالی... اندر سے آواز آئی:

''تشریف لائیے۔''

''یہ آواز وہی تھی... جو انہوں نے اپنے دفتر میں سنی تھی... آخر چاروں اندر داخل ہو گئے، انہوں نے دیکھا... چپا کیہ اندر کمرے میں سر کے بل کھڑا تھا... اسی حالت میں اس نے ان سے کہا:

''آپ لوگ بیٹھیں... میں ایک منٹ میں فارغ ہوتا ہوں۔''

پھر جونہی وہ صوفے پر بیٹھے... کمرے کا دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا... ادھر چپا کیہ سیدھا ہو گیا... اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''شوکی برادرز خوش آمدید... آپ کا یہاں پہنچ جانا میرے لیے کوئی حیرت کی بات نہیں۔''

''ہم ضرور حیران ہیں یہاں آ کر۔''

''کوئی بات نہیں... میں وضاحت کیے دیتا ہوں... فرمائیے... آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔''

''آپ ہمارے پاس آئے... آپ نے اپنا نام جاوید ساہو بتایا تھا... اور پتا ساہو کالونی بتایا تھا... سو ہم وہاں پہنچ گئے... لیکن وہاں آپ کے بجائے ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی... اس نے بتایا کہ وہی جاوید ساہو ہے... آپ سوچ سکتے ہیں... ہمیں یہ سن کر کس قدر حیرت ہوئی ہو گی... ہم نے اندازہ لگایا کہ کہیں واقعی رات کے تین بجے انہیں ہلاک نہ کر دیا جائے اور ایسا ہی ہوا مسٹر چپا کیہ۔''

''آپ کا مطلب ہے... اس شخص جاوید ساہو کو قتل کر دیا گیا۔'' چپا کیہ نے سرسری انداز میں کہا۔

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا۔''

شوکی نے منہ بنایا۔

''اگر تم بتانا چاہتے ہو تو پھر بتا دو... میں سننے کے لیے تیار ہوں۔''

''آپ نے۔'' شوکی نے تڑسے کہا۔ اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی... نہ چہرے پر حیرت نظر آئی... وہ اسی طرح پرسکون انداز میں بیٹھا رہا... آخر اس نے کہا: ''تم لوگ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو... یہاں کس لیے آئے ہو۔''

''آخر اس سارے ڈرامے کا مقصد کیا تھا۔''

''جاوید ساہو کو ہمیں... میرا مطلب ہے... ہماری تنظیم کو قتل کرنا تھا... لیکن ساتھ میں تم لوگوں کو لپیٹنا تھا... بالکل اسی طرح...''

''بالکل اسی طرح کیا...''

''جس طرح انسپکٹر جمشید پارٹی کو لپیٹا جا چکا ہے۔''

''کیا مطلب۔'' وہ بری طرح اچھلے۔ آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں... وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس کیس کا پھیلاؤ اس قدر ہے۔

☆☆☆☆☆

پھیلاؤ

چند لمحے تک وہ سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے... آخر شوکی نے کہا:

''آپ... آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''اس مرتبہ تم لوگوں کو سامنا ایک بین الاقوامی تنظیم سے ہے... اس تنظیم کے کیا مقاصد ہیں... کوئی نہیں جانتا... وہ بھی نہیں جانتے جو اس کے لیے کام کرتے ہیں۔''

''مطلب یہ کہ آپ بھی نہیں جانتے۔'' شوکی نے فوراً کہا۔

''ہاں! یہی بات ہے، ہمیں تو بس اتنا حکم ملا تھا... اس شہر کے ساہو ملز کے مالک کو قتل کرنا ہے... اور اس طرح قتل کرنا

ہے کہ شوکی برادرز بھی ساتھ میں الجھ جائیں اور ہمارے جال میں خود بخود چلے آئیں... سو مسٹر شوکی... تم اس وقت ہمارے جال میں ہو... جاوید ساہو کو ریموٹ کنٹرول سوئی سے ہلاک کیا گیا ہے... سوئی وہاں پہلے ہی ایک ننھے سے آلے میں فٹ کر کے رکھی جا چکی تھی... ریموٹ کے ذریعے سوئی ساہو کے جسم میں داخل ہوگئی... اور وہ آلہ بچوں کا ایک کھلونا سا تھا جس کی طرف تم لوگوں نے دھیان نہیں دیا... بس اتنی سی کہانی ہے۔''

''لیکن ہمیں کیوں الجھایا گیا ہے۔''

''تم لوگوں کے بارے میں جلد احکامات ملیں گے۔''

''اور یہ آپ نے کیا کہا کہ انسپکٹر جمشید پارٹی بھی جال میں آچکی ہے۔''

''ہاں وہ بہت جلد یہیں آئیں گے... تمہاری ان سے ملاقات کرادی جائے گی... اور یہ ملاقات آپ کو یاد رہے گی۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے...'' آفتاب بڑبڑایا۔

''آپ کا مطلب ہے... ہماری ان سے یہیں ملاقات ہوگی۔''

''ہاں! بالکل۔''

''تب پھر انسپکٹر کامران مرزا پارٹی نے کیا قصور کیا ہے۔''

''فی الحال ہمیں ان کے بارے میں اطلاعات نہیں... لیکن اگر تنظیم نے انہیں پروگرام میں شامل کیا ہے... تو وہ بھی آئیں گے۔''

''آپ کا مطلب ہے... یہاں آئیں گے۔''

''ہاں! بالکل آئیں گے... یہ شہر ہماری تنظیم کا مرکز ہے... مطلب یہ کہ اس ملک کی حد تک۔''

''یہ اچھی بات ہے... کہ ہماری ان سے یہیں ملاقات ہو جائے۔''

''اور ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ...'' وہ کہتے کہتے رک گیا... عین اس لمحے دروازے پر زوردار دستک دی گئی... وہ چونک اٹھے پھر چاپاکیہ اٹھ کر دروازے پر چلا گیا اور بولا:

''آیئے مسٹر ہام! مجھے آپ ہی کا انتظار تھا، سر نے کہا تھا کہ اب آگے معاملات آپ کنٹرول کریں گے۔''

''ہاں! مجھے بھی یہی ہدایات ملی ہیں... انسپکٹر جمشید اور

ان کے ساتھی ایر پورٹ پر اتر چکے ہیں اور کوئی دم میں وہ اس
عمارت کا رخ کرنے والے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' شوکی برادرز ایک ساتھ بولے۔

''ان سے پہلے ناصر تین یہاں موجود ہوں
گے... ہمیں ان کے استقبال کی تیاری کرنی ہے... تم اب
یہاں سے جا سکتے ہو... جو ہدایات ملیں... ان پر عمل کرنا۔''

''بہت بہتر مسٹر ہام۔'' چپا کیہ نے کہا اور کمرے سے
نکل گیا... اس کے نکلتے ہی کمرے میں خوفناک قسم کے آٹھ آدمی
اندر آگئے... ان کے ہاتھوں پر عجیب و غریب خول چڑھے
ہوئے تھے... انہیں ان خولوں کو دیکھ کر خوف سا محسوس ہونے لگا
... ان پر صلیب کی قسم کے ابھار تھے...

''ان لوگوں کو ہال میں لے چلو اور لٹکا دو۔''

''کک... کیا کہا... لٹکا دو۔''

''ہاں! تبھی تو فلم کا سین مکمل ہوگا... وہ سین جسے دیکھ کر
انسپکٹر جمشید اپنے شہر میں ٹھہر نہیں سکے... انہیں اڑ کر یہاں آنا
پڑا...

''گگ... گویا... اس سین میں ہمیں صلیبوں پر پر لٹکا

یا گیا ہے۔''

''ہاں! یہی بات ہے... اور اس عمارت کی نشان دہی
بھی کی گئی ہے... لہٰذا وہ بھلا یہاں کیوں نہیں آئیں گے۔''

''لل... لیکن... اس فلم میں وہ سین کیسے آگیا...
جب کہ ہمیں ابھی تک لٹکایا ہی نہیں گیا۔''

''اوہ! ایسا کرنا آج کے زمانے میں کیا مشکل ہے۔''
وہ مسکرایا۔

''اچھی بات ہے مسٹر ہام... اگر یہاں انسپکٹر جمشید اور
ان کے ساتھی آرہے ہیں... تو پھر ہمیں کوئی پروا نہیں... وہ خود
ہی اس مسئلے کو دیکھ لیں گے۔''

''یہی تو مشکل ہے۔'' ہام زوردار انداز میں ہنسا۔

''کیا مشکل ہے۔''

''وہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے... البتہ۔'' وہ
کہتے کہتے رک گیا۔

''البتہ کیا؟''

''البتہ... چلو بس رہنے دو... تم بھی کیا یاد کرو
گے...''

''ہائیں ہائیں... یہ کیا بات ہوئی... ہم کیا یاد کریں گے بھلا۔''

''ہاں اور کیا... تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

اچانک ان آٹھوں نے مل کر انہیں اٹھالیا اور سر سے بلند کیا... پھر وہ انہیں لے کر چلے۔ ہام ان سے آگے چل رہا تھا... آخر وہ ایک دیوار کے پاس رک گیا... اس نے دیوار میں نہ جانے کیا کیا کہ اس میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا... وہ دروازہ پار کر گیا... تو اس کے آٹھوں ماتحت بھی دوسری طرف آگئے۔ اس نے پھر دیوار میں کچھ کیا اور دروازہ بند ہو گیا... اب انہوں نے انہیں فرش پر چھوڑ دیا

شوکی برادرز نے دیکھا... وہ بہت طویل و عریض ہال تھا... یوں لگتا تھا جیسے کوئی کھیلنے کا میدان ہو... اس کے درمیان میں لکڑی کی بڑی بڑی صلیبیں نصب تھیں اور صلیبیں بیسیوں تھیں... یعنی ان کے پول دور تک قطار میں نظر آ رہے تھے... یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا سرا انہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

''پہلے انہیں صلیبوں سے باندھ دو... پھر انہیں وہ فلم دکھاؤ... جسے دیکھ کر انسپکٹر جمشید یہاں آنے والے ہیں... اور

کی عمارت خالی ہو چکی یا نہیں۔'' ہام نے جلدی جلدی کہا۔

''جی بالکل... جونہی آپ اندر داخل ہوئے تھے... سب لوگ باہر نکل گئے تھے... یہاں تک کہ سب سے آخر میں چپاکیہ بھی نکل گیا تھا۔''

''ہوں... ٹھیک ہے... جلدی کرو...''

اور پھر ان چاروں کو صلیبوں کے ساتھ باندھ دیا گیا... ان کے پیر اب زمین سے کئی فٹ اونچے اٹھے ہوئے تھے... اور وہ سچ مچ صلیب پر لٹکے ہوئے نظر آ رہے تھے:

''تم لوگ دیکھ رہے ہو... یہاں ابھی اور بہت سے پول موجود ہیں... ان پر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو بھی لٹکنا پڑے گا۔''

''خیر... یوں تو نہیں ہو گا۔'' شوکی نے منہ بنایا۔

''کیوں... کیوں نہیں ہو گا۔''

''اس لیے کہ وہ کچی گولیاں نہیں کھیلتے۔''

''گویا تم کہنے چاہتے ہو کہ ہم کچی گولیاں کھیلتے ہیں۔''

''میں نے ان کے بارے میں کہا ہے۔'' اس نے منہ بنایا۔

''خیر پہلے تم فلم دیکھ لو۔''

اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار پر فلم کا سین نظر آنے لگا... ابھی سین شروع ہی ہوا تھا کہ مارے خوف کے ان چاروں کے منہ سے نکلا:

''نن... نہیں... نہیں۔''

''ارے بھئی... ابھی سے نہیں نہیں کرنے لگے... ابھی تو فلم شروع بھی نہیں ہوئی... اس کا پہلا سین ہی تم نے دیکھا ہے... جوں جوں فلم آگے بڑھے گی... تمہارے خوف میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔''

''اللہ رحم فرمائے۔''

''ضرور... رحم فرمائے گا... تم پر نہیں... ہم پر۔''

''اللہ تعالیٰ ظالموں پر رحم نہیں فرمائے گا۔''

''خیر... دیکھا جائے گا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

پھر واقعی فلم جوں جوں آگے بڑھنے لگی... مارے حیرت اور خوف کے ان کے رنگ اڑتے چلے گئے... ایسے میں انہوں نے عمارت کے دروازے پر دستک کی آواز سنی... وہاں آوازوں کا نظام قائم کیا گیا تھا... اسی لیے اگرچہ وہ عمارت

کے خفیہ حصے میں تھے... لیکن اس کے باوجود انہوں نے دستک کی آواز صاف سنی تھی...

اور یہ آواز محمود کے دستک دینے کی تھی:

☆☆☆☆☆

پھر وہی

انسپکٹر کامران مرزا کے دروازے کی گھنٹی بجی... انسپکٹر کامران مرزا ابھی تک دفتر سے نہیں آئے تھے... جب کہ آفتاب، آصف اور فرحت اس وقت لائبریری میں اپنا سکول کا کام کر رہے تھے اور بیگم کامران مرزا باورچی خانے میں تھیں:

''آفتاب! ذرا دیکھنا... باہر کون ہے۔'' آصف نے فوراً کہا۔

''تو تم کیوں نہیں دیکھ لیتے... تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہے کیا۔'' آفتاب نے منہ بنایا۔

''مہندی تو خیر نہیں لگی... میں ذرا حساب کے ایک سوال میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔'' آصف نے اسے گھورا۔

''اور میں جغرافیہ کے سوال میں گھرا ہوا ہوں۔'' آفتاب پٹ سے بولا۔

''توبہ ہے تم سے... میں دیکھتی ہوں۔'' فرحت جھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کتنی اچھی بہن ہو تم... تمہاری جیسی بہن کسی کی نہیں ہو سکتی...'' آفتاب خوش ہو گیا۔

''بس بس... زیادہ مکھن نہ لگاؤ۔''

''اچھی بات ہے... نہیں لگاتا... دروازہ تو کھولنے جا رہی ہو نا۔'' آفتاب مسکرایا۔

''میں تمہاری طرح ست الوجود نہیں ہوں۔'' وہ جھلا اٹھی۔

''اس میں کیا شک ہے۔'' آصف نے فوراً کہا۔

''اے... خبردار... جو تم نے میری ٹانگ لی۔''

''میرا دماغ نہیں چل گیا... جو میں تمہاری ٹانگ لوں... میرے اپنے پاس پوری دو ٹانگیں ہیں۔''

''حد ہو گئی۔'' فرحت نے پاؤں پٹخے اور دروازے پر چلی آئی... اس نے قدرے بلند آواز میں کہا:

''کون صاحب ہیں۔''

''م... میں... میں۔'' باہر سے بڑی طرح ہکلا کر کہا گیا۔

''میں کون... اپنا نام بتائیں نا۔''

''انوار فخری۔''

''انوار فخری... ہم اس نام کے کسی شخص سے واقف نہیں ہیں۔''

''اوہو... تو میں نے کب کہا ہے... آپ دروازے تو کھولیں۔''

''کیوں کھولوں... آپ اپنے بارے میں بتائیں نا۔''

''میں... میں خطرے میں ہوں... کچھ لوگ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔'' باہر سے کہا گیا۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ ان لوگوں نے آپ کے پیچھے پڑنے سے ہاتھ دھوئے تھے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' باہر سے حیران ہو کر کہا گیا۔

''چلیے خیر! اسے چھوڑیں... آپ کے پیچھے کچھ دشمن

لگے ہیں... تو آپ سیدھے پولیس اسٹیشن کیوں نہیں گئے۔''

''اس شہر میں اچھی پناہ گاہ انسپکٹر کامران مرزا کا گھر ہے اور بس۔'' اس نے کہا۔

''خوب! تو آپ کو یہ بھی معلوم ہے۔''

''اللہ کی مہربانی سے... لیکن آپ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں... ورنہ وہ یہاں تک پہنچ گئے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ تو آپ کے اندر آ جانے پر بھی ہو سکتا ہے۔''

''آپ لوگ مجھے مایوس کیے دے رہے ہیں... میں نے تو سنا تھا... انسپکٹر کامران مرزا کا دروازہ ضرورت مندوں کے لیے فوراً کھلتا ہے۔''

''آج کل کچھ دشمن بھی ضرورت مند کا بھیس بدل کر آ جاتے ہیں۔'' فرحت ہنسی۔

''اچھی بات ہے... میں یہاں سے آگے چلا جاتا ہوں... اب جو ہوگا... دیکھا جائے گا۔''

''خیر ایسی بھی بات نہیں... ہم لوگ احتیاطی تدبیر اختیار کرنے پر مجبور ہیں... آپ غور کریں... حالات کیا ہیں

... بم دھماکے ... خودکش دھماکے اور نہ جانے کون کون سی قسم کے دھماکے ہر طرف سنائی دینے لگے ہیں۔‘‘

’’میں محسوس کر رہا ہوں ... ان کی گاڑی سڑک تک آ چکی ہے ... اب وہ سیدھے ادھر آئیں گے ... انہیں معلوم ہے ... میں آپ لوگوں کی طرف آیا ہوں۔‘‘

’’اوہ اچھا! یہ لیں۔‘‘

اور فرحت نے دروازہ کھول دیا ... اس سے پہلے آفتاب اور آصف گھر کے ستونوں کے پیچھے پوزیشن لے چکے تھے ... اور فرحت نے بھی دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی خود کو دیوار کے ساتھ لگا لیا تھا:

’’یہ کیا ... دروازہ کھل گیا ... لیکن نظر کوئی نہیں آ رہا۔‘‘ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

’’آپ پہلے دروازہ اندر سے بند کر دیں ... چٹخنی لگا دیں ... پھر ادھر منہ کر کے ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔‘‘ ستونوں کے پیچھے سے آصف کی سرد آواز سنائی دی۔

’’حد ہو گئی ...‘‘ اس نے جھلا کر کہا اور ہدایات پر عمل کیا۔

’’چیک کرو فرحت ... ان کے پاس کوئی اسلحہ تو نہیں ہے۔‘‘ آفتاب کی آواز ابھری۔

’’اور آپ کوئی حرکت نہیں کریں گے ... کیونکہ آپ پوری طرح ہماری زد پر ہیں۔‘‘

’’میں کیوں کوئی غلط حرکت کروں گا ... میں تو آپ سے مدد مانگنے آیا ہوں۔‘‘

’’فرحت جلدی کرو ... فی الحال ان کی باتوں پر اعتبار کرنے کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں۔‘‘

’’فکر نہ کرو ...‘‘ فرحت نے کہا اور پیچھے سے آ کر اس کی جیبوں کو تھپتھپا ڈالا ... آخر اس نے کہا:

’’بظاہر ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں۔‘‘

’’اوکے ...‘‘

انہوں نے کہا اور سامنے آ گئے ... ان کے ہاتھوں میں پستول تھے:

’’آپ لوگ ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔‘‘ آصف نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اب وہ چاروں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے:

''ہاں! اب فرمائیے۔''

''وہ عجیب وغریب لوگ ہیں... ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی... اور یہ سلسلہ چند دن پہلے شروع ہوا تھا۔''

''ہمیں تفصیل سنائیں۔''

''اس کا مطلب ہے... انسپکٹر کامران مرزا گھر میں نہیں ہیں۔''

''ابھی نہیں آئے... لیکن جلدی آنے والے ہیں... آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے اپنی بات پوری کرلیں۔''

''اچھی بات ہے... میں ایک کاروباری آدمی ہوں... اس شہر میں میرا جوتوں کا ایک کارخانہ ہے... میرے کارخانے کے جوتے سارے شہروں میں جاتے ہیں... چند دن پہلے مجھے ایک فون موصول ہوا... فون کرنے والے نے کہا:

''ہم لوگ چاہتے ہیں... آپ اپنے ملک کے لوگوں کے لیے جو جوتے بناتے ہیں... ان پر ہماری تنظیم کے سٹیکر لگائیں۔''

'آپ کی تنظیم کے سٹیکر... کیا مطلب... میں سمجھا

نہیں۔'

''ہم آپ کو سٹیکر دکھا دیتے ہیں... آپ کو اس سلسلے میں بھاری رقم ہر ماہ ادا کی جائے گی... رقم بھی طے کرلیں گے... کہیے... کیا کہتے ہیں۔''

''سٹیکر کو دیکھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''ٹھیک ہے... ہم آج رات گیارہ بجے آپ کے گھر آئیں گے... سٹیکر ساتھ لائیں گے... آپ ان کو دیکھ لیجیے گا... پھر باقی باتیں طے کریں گے۔''

''اچھی بات ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا... میں قدرے الجھن محسوس کررہا تھا۔ خیر... رات کو گیارہ بجے تین آدمی مجھ سے ملنے کے لیے آئے... تینوں کے حلیے ایک جیسے تھے... وہ جب بولتے تھے تو ایک ساتھ بولتے تھے:

''کیا مطلب؟'' تینوں کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں... ان کے منہ سے ایک ساتھ جملہ نکلتا تھا۔''

''یعنی جو بھی وہ بولتے تھے... تینوں بولتے تھے اور ایک ساتھ بولتے تھے۔'' آفتاب نے جلدی سے کہا۔

''جی ہاں! پھر انہوں نے مجھے وہ سٹیکر دکھائے... میں وہ سٹیکر دیکھ کر کانپ گیا۔

''میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں... لیکن پھر بھی آخر محب وطن ہوں... ان سٹیکروں پر ہمارے بانیان قوم کے نام تھے... اب آپ خود سوچیں... بھلا میں یہ سٹیکر اپنے کارخانے میں بننے والے جوتوں پر کس طرح لگا سکتا تھا۔ میں نے صاف انکار کر دیا... اس پر وہ مسکرائے اور بولے:

''یہ کام تو تمہیں کرنا ہوگا... خوشی سے کرو گے تو بھاری رقم ساتھ ملے گی... خوشی سے نہیں کرو گے تو ہم زبردستی کریں گے... اور اس صورت میں کوئی پیسہ نہیں ملے گا۔''

''آپ مجھ سے زبردستی بھی یہ کام نہیں لے سکیں گے... میں یہ کام کسی قیمت پر نہیں کروں گا... کوئی بالکل ہی بے غیرت ہو جائے اور ایسا کام کرنے لگے تو لوگ کب اسے چھوڑ دیں گے... اس کا کاروبار تو ویسے ہی بند ہو جائے گا... لیکن میرے سامنے یہ بات نہیں تھی... میرا ضمیر تو کسی طرح تیار تھا ہی نہیں۔ میں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو... اس پر انہوں نے کہا... ہم ابھی تمہیں دکھا

دیتے ہیں کہ کیا کر سکتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے نہ جانے کسے فون کیا... بس چند منٹ بعد پولیس آ گئی... انہوں نے فوراً الزام لگا دیا کہ میں جوتوں کے کاروبار کی آڑ میں منشیات کا کاروبار کرتا ہوں اور اس وقت بھی میرے کارخانے میں منشیات کی بہت بڑی مقدار موجود ہے... اور کارخانے میں یہ کام جوتوں کے اندر رکھ کر کیا جا رہا ہے... اس طرح منشیات پورے ملک میں پہنچ رہی ہے... کارخانے کی تلاشی لے لیتے ہیں... میں نے فوراً کہا کہ ٹھیک ہے۔''

ہم اسی وقت کارخانے چلے گئے... اور یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ وہاں ایک کمرے میں واقعی منشیات کی بہت بڑی مقدار موجود تھی... یہ دیکھ کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی... اب پولیس آفیسر نے کہا کہ وہ مجھے گرفتار کر رہے ہیں... میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنی صفائی کا موقع دیا جائے... کیونکہ یہ میرے خلاف ایک سازش ہے... اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں... ثبوت ساتھ موجود ہے... لہٰذا آپ کو اسی وقت حوالات میں بند کیا جائے

گا...

میں بہت گھبرا گیا... اس وقت ان تینوں نے کہا... البتہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں پولیس سے بچا سکتے ہیں... میں نے ان سے پوچھا... وہ کیسے... وہ کہنے لگے کہ یہ آپ ان پر چھوڑ دیں... میں نے اپنے آپ کو وقتی طور پر پولیس سے بچانے کے لیے حامی بھرلی... انہوں نے نہ جانے ان سے کیا بات کی کہ وہ چلے گئے... اب انہوں نے میرے سامنے کاغذات رکھے کہ ان پر دستخط کر دیں... میں نے ان کاغذات کو دیکھا... اس میں وہی کچھ تھا... یعنی مجھے وہ سٹیکر لگانے کا پابند کیا جا رہا تھا... میں نے دستخط کر دیے... وہ بے شمار سٹیکرز مجھے دے کر چلے گئے... تب میں نے سکون کا سانس لیا اور آپ کی طرف آنے کی تیاری کرنے لگا... کیونکہ میرے خیال میں مجھے اس جنجال سے انسپکٹر کامران مرزا ہی نکال سکتے تھے...

پھر جونہی میں اپنی کار میں گھر سے نکلا... میرا تعاقب شروع کر دیا گیا... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قدر ہوشیار ہوں گے... بس میں نے ان سے جان چھڑانے کی کوشش شروع کر دی... میں چاہتا تھا... انہیں دھوکا دے کر کسی طرح

یہاں پہنچ جاؤں... اور ایک جگہ میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا... لیکن جلد ہی میں نے دیکھا کہ ان کی گاڑی پھر میرے تعاقب میں تھی... اگرچہ اب درمیانی فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا... میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور رفتار بڑھاتا چلا گیا... یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔'' یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا: ''اس کا مطلب ہے... وہ تینوں باہر موجود ہیں۔''

''آپ دیکھ لیں... میں تو باہر نہیں نکل سکتا۔''

''آفتاب! ذرا چھت پر جا کر دیکھنا۔''

''تو تم کیوں... خیر... میں جاتا ہوں... آفتاب کہتے کہتے رک گیا... اسے خیال آ گیا تھا کہ کم از کم اجنبی کی موجودگی میں انہیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیے... پھر جلد ہی وہ واپس آ گیا... اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے... اس نے کہا:

''باہر تین ایک جیسی شکل کے لوگ موجود ہیں۔''

''کیا!!!'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اس لمحے ان کے دروازے پر دستک ہوئی:

☆☆☆☆☆

نیند

''یہ... یہ دستک کم از کم ابا جان کی تو نہیں۔'' آفتاب نے فوراً کہا۔

''میں دیکھتا ہوں... لگتا ہے، خطرہ سر پر آ گیا ہے... تم دونوں پوزیشن لے لو... لیکن نہیں... پہلے انوار صاحب کو اندرونی حصے میں چھپا دو۔'' آصف نے جلدی جلدی کہا۔

آفتاب نے انوار فخری کا ہاتھ تھاما اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ واپس آ گیا اور آتے ہی بولا:

''میں انوار فخری کو چھپا آیا ہوں۔''

''بس ٹھیک ہے۔'' آصف نے کہا اور دروازے پر چلا آیا۔

''کون صاحب ہیں۔''

''دروازہ کھولو... ورنہ اس کو آگ لگ جائے گی... پھر نہ کہنا۔'' تین آدمیوں کے ایک ساتھ بولنے کی آواز سنائی دی۔

''کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''آپ فوراً دروازہ کھول دیں... یہاں ایک صاحب آئے ہیں... انوار فخری... ہمیں ان سے اپنا حساب کتاب لینا ہے... اگر آپ نے دروازہ نہ کھولا تو ہم اس دروازے کو جلا کر راکھ کر دیں گے... ہمارے پاس ایسی چیز ہے کہ دروازہ پلک جھپکنے میں جلنے لگے گا۔''

انہوں نے محسوس کیا، وہ ٹھیک کہہ رہے تھے... حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنے جملے بھی انہوں نے ایک آواز ہو کر بولے تھے... جب کہ ایسا کرنا قریب قریب ناممکن تھا:

''اچھی بات ہے... میں دروازہ کھول رہا ہوں... تم لوگوں سے گھر کے اندر ملاقات کرنا ہی سود مند رہے گا۔''

اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا... فوراً ہی ایک جیسی شکل صورت کے تین آدمی اندر آ گئے اور انہوں نے خود ہی

دروازہ اندر سے بند کر دیا... کیونکہ آصف تو دیوار سے جا لگا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا... انہوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا:

''یہ کیا... گھر میں صرف تم ہو... مگر نہیں... ایک اس ستون کے اور دوسرا اس ستون کے پیچھے موجود ہے... تب پھر انوار فخری کہاں ہے۔''

''آپ اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں اور بتائیں ... معاملہ کیا ہے۔''

''اس نے ہمارا مطالبہ نہیں مانا... ہم ایسے لوگوں کو جینے کا کوئی حق نہیں دیتے... جو ہمارا مطالبہ نہ مانے۔''

''آپ آخر ہیں کون... اور کیوں دوسروں کو اپنا پابند بنانا چاہتے ہیں۔'' آصف نے جل کر کہا۔

''یہ پستول جیب میں رکھ لو... ہم ان کھلونوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں... بلکہ ایسے کھلونے ہم سے ڈرتے ہیں اور مثال کے طور پر یہ سن لو کہ انسپکٹر جمشید جیسوں کو ہم اُلو بنا کر آئے ہیں... بلکہ انہیں بھی ادھر کی دعوت دے آئے ہیں... ادھر سے مراد شوکی برادرز کا شہر ہے... وہ سیدھے وہاں آئیں

گے اور ہمارے جال میں پھنس جائیں گے... کیا سمجھے۔'' وہ تینوں بولے۔

''ابھی تک کچھ نہیں سمجھے... لیکن سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں...'' آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

''سب سے پہلے تو ہماری سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آ رہی کہ آپ تین ہیں یا ایک... اگر تین ہیں تو ایک آواز میں تینوں کیسے بول سکتے ہیں... اور اگر آپ ایک ہیں تو تین کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔''

''جب تم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے گی، اس وقت باقی سب باتیں بھی سمجھ میں آ جائیں گی... اور کوئی بات سمجھانے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی... فی الحال مسئلہ ہے ... انوار فخری کا... وہ یہاں آ چکے ہیں... یہ بات ہم جانتے ہیں... لہٰذا ہم انہیں آپ لوگوں کی موجودگی میں قتل کریں گے۔''

''کیا!!!'' وہ ایک ساتھ چلائے۔

''ہاں! جو قومیں ہماری پیش کش نہیں مانتیں... ہم انہیں دنیا سے مٹا دیتے ہیں۔''

''کیا ... کیا ایسے لوگ دنیا سے واقعی چلے جاتے ہیں ...'' فرحت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ... کیا کہنا چاہتی ہو۔'' وہ بولے۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں ... جو لوگ سچائی کی خاطر جان دے دیتے ہیں، کیا وہ دنیا سے مٹ جاتے ہیں ... ہم تو یہ دیکھتے آئے ہیں کہ ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتے ہیں ... اور کبھی نہیں مرتے ... تاریخ کی کتابوں میں ان کے نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں۔''

''ہم ان باتوں کو نہیں مانتے ... بلکہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفین کو چیونٹی کی طرح مسل دیتے ہیں ... اور اپنا کام آسان کر لیتے ہیں۔''

''تب پھر سن لیں ... آپ انہیں ہماری موجودگی میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' آفتاب نے پرجوش انداز میں کہا۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم تمہاری موجودگی میں انوار فخری کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ... اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تو انسپکٹر کامران مرزا کی موجودگی میں ایسا کام کر کے دکھائیں گے۔''

''کیا کہہ رہے ہو بھائی ... تم تو بہت لمبے چوڑے دعوے کر رہے ہو ... اور اگر یہی بات ہے تو پھر ان کے آنے تک انتظار کیوں نہیں کر لیتے۔''

''انتظار ... خیر ... کر لیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے ... لیکن بھئی ... تم انہیں بلاؤ نا ... وہ کہاں رہ گئے ... ان کے گھر آنے کا وقت تو ہو بھی چکا ہے۔'' انہوں نے نہایت شوخ انداز میں کہا۔

''ہاں! کیوں نہیں ... آفتاب نے کہا اور جیب سے موبائل نکال کر ان کے نمبر دبائے، جلد ہی سلسلہ مل گیا ... اور ان کی آواز سنائی دی:

''ہاں آفتاب ... خیر تو ہے۔''

''نظر نہیں آتی ... آپ بس یہاں آ جائیں۔''

''دفتر میں مجھے چند منٹ اور لگیں گے ... معاملہ کیا ہے۔''

''عجیب و غریب، حیرت انگیز اور خوفناک۔''

''اچھا اچھا ... کوئی بات نہیں ... گھبراؤ نہیں ... میں آ رہا ہوں۔'' انہوں نے کہا اور موبائل آف کر دیا۔

''دفتر میں انہیں چند منٹ اور لگیں گے... اس کے بعد
وہ سیدھے گھر آئیں گے۔''

''اچھی بات ہے... تم لوگ جاؤ... اپنا کام
کرو... ہم ذرا سو لیں۔''

''کیا... کہا... سو لیں... گویا آپ کو ہماری طرف
سے کوئی خطرہ نہیں کہ ہم سوتے ہوئے آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکتے
ہیں۔''

''نہیں پہنچا سکتے نا... بس تم جاؤ۔''

انہوں نے تینوں حیران ہو کر دیکھا... پھر ڈرائنگ
روم سے باہر نکل آئے... تینوں اٹھے اور دروازے پر پہنچ
گئے... انہوں نے دروازہ بند کر دیا:

''یہ... یہ کیا چکر ہے۔'' آصف بڑبڑایا۔

''ارے ہاں... یاد آیا... انہوں نے کہا تھا... یہ
انکل انسپکٹر جمشید کی طرف ہو آئے ہیں... میں انکل سے ان کے
بارے میں پوچھتا ہوں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

اس نے فوراً انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... لیکن ان کا

فون بند تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے نمبر ملائے... ان کے
فون بھی بند تھے... آخر میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے
نمبر بھی دیکھ لیے... ان پر بھی رابطہ نہ ہو سکا:

''اللہ اپنا رحم فرمائے...'' وہ بولا۔

''شوکی برادرز کو دیکھو۔'' فرحت بے تابانہ بولی۔

''اچھا۔'' اس نے کہا اور ان کے نمبر ملائے... لیکن
رابطہ نہ ہو سکا۔

اس نے انکار میں سر ہلا کر موبائل بند کر دیا اور سیدھے
باورچی خانے میں آئے... انہوں نے دیکھا... بیگم کامران
مرزا کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا:

''آپ... آپ کو کیا ہوا۔''

''میں حد درجے خوف محسوس کر رہی ہوں اور خوف کی
وجہ نہیں بتا سکتی۔''

''خیر کوئی بات نہیں... ہم آپ سے نہیں پوچھتے...''
آفتاب مسکرایا، لیکن اس مسکراہٹ بھی بجھی بجھی سی تھی۔

''یہ... یہ ہمیں کیا ہو رہا ہے۔'' آصف گھبرا کر بولا۔

''سمجھ سے باہر ہے... لیکن کچھ نہ کچھ ہو ضرور رہا

ہے۔''

''انکل کو آ ہی جانا چاہیے... میں فون کرتا ہوں انہیں۔'' آصف نے کہا اور موبائل نکال کر ان کا نمبر دبایا... سلسلہ ملنے پر اس نے کہا:

''آپ چل پڑے ہیں یا نہیں۔''

''بہت گھبرائے ہوئے ہو آصف... میں چل پڑا ہوں... فکر نہ کرو۔''

''یہی تو مشکل ہے انکل۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''کیا مشکل ہے...''

''ہم فکر کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔''

''اوہو... آخر ایسا کیا ہو گیا ہے۔''

''آپ آ جائیں... پھر بتائیں گے۔''

''اچھا۔'' انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''اللہ کا شکر ہے... انکل چل چکے ہیں... اور بہت جلد پہنچنے والے ہیں۔''

''چلو... اتنا تو ہوا۔''

اور پھر ان کے دروازے کی گھنٹی بجی... انداز انسپکٹر

کامران مرزا کا تھا... انہوں نے یک دم دروازہ کھول دیا... انسپکٹر کامران مرزا السلام علیکم کہتے ہوئے اندر آ گئے... انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا... اب انہوں نے پورے گھر پر نظر ڈالی اور پریشان سے ہو گئے:

''گھر میں کوئی بات تو خیر ہے... چلو تم بتاؤ... کیا بتانا چاہتے ہو۔''

''ہمارے گھر میں ایک شخص نے پناہ لی ہے... اس کی کہانی بہت عجیب ہے... ہم نے اس کی کہانی سنی ہی تھی کہ تین آدمی آ گئے... انہوں نے دروازے پر دستک دی اور دھمکی دی کہ دروازہ کھول دو... ورنہ ہم دروازے کو آگ لگا دیں گے... وہ تینوں ایک آواز ہو کر بات کر رہے تھے... اور ذرا بھی فرق نہیں آ رہا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

اب آصف نے انہیں پوری تفصیل سنا دی... انسپکٹر کامران مرزا نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا:

''تمہارا مطلب ہے... انوار فخری اس وقت ہمارے گھر کے محفوظ حصے میں موجود ہے اور وہ تینوں ڈرائنگ روم میں

ہیں۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''آؤ... دیکھتے ہیں۔''

انہوں نے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے... اندر داخل ہونے پر انہوں نے دیکھا... وہ تینوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے... انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں ہلایا جلایا... لیکن ہوش میں نہ آئے... انہیں بہت حیرت ہوئی... انہوں نے ان کی نبض وغیرہ چیک کی... وہ معمول پر تھی...

''یہ کیسی نیند ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

''حیرت انگیز نیند ہے۔'' آفتاب بولا۔

انسپکٹر کامران مرزا اسے گھور کر رہ گئے... پھر بولے:

''ان کے تو ابھی جاگنے کا کوئی امکان نہیں... آؤ... انوار فخری سے ملاقات کرلیں۔''

''چلیے۔'' تینوں ایک ساتھ بولے۔

اور وہ باہر نکل آئے... ان کے گھر میں ایک خفیہ جگہ تھی... اس خفیہ جگہ کا دروازہ وہی کھول سکتے تھے... انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئے۔ اندر انوار فخری بہت

پریشان نظر آیا... انہیں دیکھتے ہی وہ بول اٹھا:

''شکر ہے... آپ آئے تو... ان کا کیا بنا... اوہ... آپ غالباً انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔'' وہ چونکا۔

''جی ہاں... میں آپ کی کہانی آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔''

''جی ضرور... کیوں نہیں۔''

اب وہ سب بیٹھ گئے... انوار فخری نے اپنی کہانی پھر شروع کی... انسپکٹر کامران مرزا غور سے سنتے رہے... آخر اس کے خاموش ہونے پر بولے:

''کہانی بہت عجیب اور خوفناک ہے... گویا وہ تینوں آپ کو اس جرم میں ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ان کا مطالبہ نہیں مانا... اس صورت میں آپ ہمارے لیے قابلِ قدر ہستی ہیں... اس میں شک نہیں... ملک دشمن طاقتیں آج کل اس قسم کی بہت کوششیں کر رہے ہیں... یہ لوگ ملک کا نقصان کرنے کے درپے رہتے ہیں ایسا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں... یہ تینوں بھی اسی سلسلے کے لوگ ہیں... خیر میں ان سے نبٹ لوں گا... اور آپ فکر نہ کریں... اللہ نے چاہا تو ہم

انہیں آپ تک نہیں آنے دیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ ... آپ بہت اچھے ہیں... اس نے پرسکون ہو کر کہا۔

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں... اب ہم پہلے ان تینوں کی خبر لے لیں... آپ آرام کریں۔''

''اب میرا اطمینان ہو گیا ہے... میں آرام کر سکتا ہوں۔'' وہ مسکرا دیا۔

اوپر آ کر وہ سیدھے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے ... فوراً ہی انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا... وہ جلدی سے باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ بیگم کامران مرزا اندر نہیں تھیں:

''بیگم ... تم کہاں ہو؟'' انسپکٹر کامران مرزا پکارے۔

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا:

''آفتاب... جلدی سے چھت پر جا کر دیکھو۔''

آفتاب نے دوڑ لگا دی... بیگم کامران مرزا اوپر بھی نہیں تھیں...

''بیگم ... کہاں ہو۔'' وہ بلند آواز میں پکارے... ان کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

اب تو انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی... اور پھر وہ دھک سے رہ گئے... ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا... آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں... وہ تینوں ڈرائنگ روم میں نہیں تھے:

☆☆☆☆☆

خوف

''حیرت ہے... یہ تینوں کہاں چلے گئے... بیگم کہاں ہے... آصف... بیرونی دروازہ دیکھو۔ اندر سے کھلا ہے یا بند... ڈرائنگ روم کا بیرونی دروازہ تو اندر سے بند ہے، اس کا مطلب ہے... وہ اس طرف سے باہر نہیں گئے۔''

آصف دوڑ کر باہر گیا... اور فوراً ہی واپس آیا... اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا:

''در... دروازہ اندر سے بند ہے۔''

''حیرت ہے... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ گھر سے باہر نہیں گئے...''

اب انہوں نے پورا گھر دیکھ ڈالا... نہ وہ تینوں نظر

آئے... نہ بیگم کامران مرزا:

''کمال ہے۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

انہیں اس وقت چکر پر چکر آتے محسوس ہو رہے تھے... پھر انہیں ایک اور خیال آیا... انہوں نے خفیہ حصے کی طرف دوڑ لگا دی... اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے...

انوار فخری پرسکون انداز میں بیٹھا نظر آیا... انہیں آتے دیکھ کر اس نے کہا:

''کہیے کیا رہا۔''

''حالات عجیب و غریب ہیں... لیکن آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''لیکن ہم کہتے ہیں... آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔'' ان تینوں کی سرد آواز سنائی دی۔

''کک... کیا مطلب؟'' وہ بُری طرح اچھلے۔

''تم لوگ اس وقت ہمارے جال میں ہو... چاہو تو موبائل کے ذریعے مدد منگوالو... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

انسپکٹر کامران مرزا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''ہم مدد کیوں منگوائیں... یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''یہاں ابھی... آپ لوگوں کی موجودگی میں... انوار فخری کو قتل کیا جائے گا... آپ دیکھتے رہ جائیں گے...''

''سنو! کامران مرزا... تم اپنا زور لگا لو... انوار فخری کو بچانے کے لیے جو کرنا چاہو کر لو۔''

''اچھی بات ہے...'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا... پھر انوار فخری سے بولے:

''آپ ہمارے ساتھ آئیں۔''

وہ اسے لے کر اوپر آئے... لائبریری کی طرف بڑھے... انہوں نے اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے... ساتھ ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا:

''کیا آپ میرے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔''

''آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں... ہم آپ کے ساتھ یہیں رہیں گے اور اگر ان تینوں نے حملہ کیا تو اس حملے کو اپنی جان پر لیں گے... آپ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

''آپ... آپ لوگ عجیب ہیں... بلکہ بہت ہی عجیب

...دوسروں کے لیے... جنہیں ایک دن پہلے آپ جانتے بھی نہیں تھے... ان کے لیے جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔''

''آپ نے ایک مقصد کے لیے ان لوگوں سے دشمنی لی ہے... ہم آپ کی مدد کیوں نہ کریں...'' انسپکٹر کامران مرزا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''سوال یہ ہے انکل... وہ تینوں گھر سے نکل کیسے گئے... جب کہ۔''

''ہم اس کا جائزہ لیں گے... لیکن پہلا مرحلہ ہے... ان کی حفاظت کا۔''

''ان تینوں نے بتایا تھا... یہ لوگ انکل جمشید کی طرف بھی کام دکھا آئے ہیں اور شوکی برادرز کی طرف بھی۔''

''اوہو اچھا... تب تو ان سے کچھ معلومات مل سکتی ہیں۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... لیکن ان کا موبائل بند تھا... گھر کے نمبر پر فون کیا تو بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

''السلاعلیکم بھابی... کہاں ہیں یہ لوگ۔''

''ایک جیسے تین آدمیوں کے چکر میں نہ جانے کہاں چکرا رہے ہوں گے۔'' وہ بولیں۔

''اوہ... اوہ۔''

''یہ آپ نے دوبار اوہ اوہ کیوں کہا؟'' وہ چونکیں۔

''وہ تینوں اب ہماری طرف آ چکے ہیں۔''

''حیرت ہے... آخر یہ ہیں کیا بلا۔''

''بہت جلد ہم معلوم کر لیں گے اور آپ کو بتائیں گے... اچھا السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔''

فون بند کر کے انہوں نے شوکی برادرز کے نمبر دائل کیے... لیکن ان سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔

''خیر ... دیکھا جائے گا ... انوار فخری صاحب... آپ اس طرف آرام کریں... لیٹ جائیں... اور بے فکر ہو جائیں۔''

''میں آپ لوگوں کے لیے فکر مند ہوں۔''

''یہ ہمارا روز کا کام ہے... آپ پریشان نہ ہوں۔''

''تو وہ تینوں غائب ہو گئے ہیں۔''

''ہاں! گھر سے پراسرار طور پر غائب ہیں... جب کہ دروازے اندر سے بند ہیں۔''

''کیا!!!'' وہ چلا اٹھا... آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں۔

''لیکن آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا یہ بات انوکھی نہیں۔''

''بعض لوگ پراسرار قوتوں کے مالک ہوتے ہیں... ان تینوں میں بھی ایسی کوئی بات ہے... اور شاید اسی لیے انہیں ایسا کام سونپا گیا ہے ... کہ ہم جیسے لوگ بھی چکرا جائیں.. آفتاب، آصف... فرحت تم چوکس رہو... میں ذرا ایک بار پھر گھر کا کونہ کونہ چیک کرنا چاہتا ہوں۔''

''نن نہیں۔'' انوار فخری نے خوف کے عالم میں کہا۔

''کیا ہوا...''

''آپ نہ جائیں... میرے خوف میں یکا یک بہت اضافہ ہو گیا ہے۔''

''اچھا خیر... آفتاب، آصف... تم دونوں گھر کا جائزہ لے آؤ۔''

''نن نہیں۔'' انوار نے پھر اسی طرح کیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''یہ بھی نہ جائیں... آپ لوگ یہیں رہیں... میں محسوس کر رہا ہوں... کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔''

''یہ آپ کا وہم ہے... آپ پریشان نہ ہوں۔''

''بس آپ چاروں یہیں رہیں۔''

''لیکن ہمارے گھر کا ایک فرد باہر بھی ہے... ہمیں اس کی خیریت بھی تو معلوم کرنی ہے... میں دروازہ کھول کر معلوم کر لیتا ہوں۔'' انہوں نے کہا اور دروازہ کھول ڈالا اور پھر پکارے:

''بیگم... تو خیریت سے تو ہو۔''

بیگم کامران مرزا کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا وہ ایک بار پھر پکارے:

''بیگم... تم کہاں ہو۔''

ان کی طرف سے اب بھی جواب نہ ملا... اب تو وہ سب پریشان ہو گئے...

''اب ہم میں سے کسی کو تو باہر جا کر دیکھنا پڑے گا...''

''ٹھیک ہے... مجبوری ہے۔'' انوار نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

پھر انسپکٹر کامران مرزا باہر نکل گئے... آصف نے دروازہ اندر سے بند کر لیا...

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''اب تو ہمیں بھی لگ رہا ہے۔''

''کیا کہا... آپ کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہاں! ہم پراسرار حالات میں گھر گئے ہیں... وہ تینوں کچھ جادوگر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں... اور جادوگروں سے ہمارا واسطہ عام طور پر نہیں پڑا...'' آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''اوہ... اوہ۔'' انوار کہتے کہتے رک گیا... اب اس کے چہرے پر بے تحاشہ خوف پھیل چکا تھا۔

''اور کیا؟''

''لگتا ہے... میرا آخری وقت آ گیا... آپ لوگ اس بات کے گواہ ہیں... میں نے یہ جو کچھ کیا... اپنے وطن کے لیے کیا... مجھے اپنے وطن سے بہت محبت ہے... میرے ملک کو

کوئی نقصان پہنچائے... میرے قومی ہیروؤں کو ذلیل کرنے کی
کوشش کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا... دشمن کوئی ایسا
طریقہ ایجاد کرے، جس سے ان ہستیوں کی شان میں حرف آئے
... یہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا... ان لوگوں نے انتخاب بھی کیا تو
میرا... اس لیے کہ یہ جانتے تھے... میں یہ بات منظور نہیں
کروں گا... اب یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے... کیونکہ یہ ان
معاملات کو شہرت دینا چاہتے ہیں... تاکہ اخبارات میں اس کا
خوب چرچا ہو... لگتا ہے... ہمارے ملک کو کوئی اس قسم کا
طوفان اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے... اللہ ہمارے ملک کی
حفاظت کرے... پہلے تھوڑے طوفان...''

وہ کہتے کہتے رک گیا... اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا
دیا اور کمرے کی چھت پر نظریں جما دیں:

''آپ کہتے کہتے رک گئے... ہم آپ کی باتوں کی
قدر کرتے ہیں... آپ کے جذبات بہت اعلیٰ ہیں... آپ
بہت اچھے انسان ہیں... آپ کی باتیں ہمیں اپنے دلوں میں
اترتی محسوس ہو رہی ہیں... آپ رک کیوں گئے... آگے بھی
کہیے نا۔''

عین اس لمحے باہر قدموں کی آواز سنائی دی... ان کی
توجہ فوراً دروازے کی طرف ہو گی... ساتھ ہی انسپکٹر کامران
مرزا کی آواز سنائی دی:

''آفتاب! دروازہ کھولو۔''

اس نے فوراً دروازہ کھول دیا... اسے اپنے والد کے
چہرے پر ہوائیاں اڑتی محسوس ہوئیں:

''کک... کیا ہوا ابا جان۔''

''تمہاری امی کا کوئی پتا نہیں... نہ وہ تینوں کہیں ہیں
اور دروازے اندر سے بدستور بند ہیں۔''

''نن... نہیں...'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''اور ادھر کیا حال ہے... انوار فخری کے خوف میں
اضافہ ہو رہا ہوگا۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے... ابھی ابھی ان لوگوں کے
خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے... ایسے میں آپ
آ گئے۔''

انسپکٹر کامران مرزا نے اندر نظر ڈالی... پھر زور سے
اچھلے... ان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں

... ساتھ میں وہ چلائے:

''نن... نہیں۔''

☆☆☆☆☆

جزیرہ

''کیا ہوا انکل... ابا جان۔'' تینوں چلا اٹھے۔

''انوار فخری۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

تینوں اس کی طرف مڑے اور پھر ان کے منہ سے بھی مارے حیرت کے نکلا:

''ارے باپ رے... یہ بے چارے تو چلے بھی گئے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔'' آفتاب بولا۔

''حیرت ہے... آخر یہ کیسے ہوگیا...''

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا اندر آگئے اور انوار فخری کی لاش کا بغور جائزہ لینے لگے:

''کمرے میں کوئی آیا نہ گیا... اور یہ جذباتی انداز

میں باتیں کرتے کرتے رک گئے... انہوں نے سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا... آنکھیں چھت کی طرف دیکھتی نظر آئیں... ہم نے سمجھا خیالات میں گم ہو گئے ہیں..."

"ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے پھر چونک کر بولے:

"ان کی پیشانی میں ایک زہریلی سوئی ہے... اس کا مطلب ہے، ان کی موت زہر سے ہوئی ہے۔"

"لیکن انکل... سوئی جسم میں داخل کیسے کی گئی؟"

"شاید ان صاحب نے سوئی اپنی پیشانی میں خود گھونپی ہے۔"

"لیکن بھلا یہ خودکشی کیوں کرتے... یہ تو کمزور ہمت کے آدمی تھے ہی نہیں۔"

"میں غور کر رہا ہوں... ایسا لگتا ہے... جیسے یہ ہپناٹزم کا کیس ہے... دیکھو، وہ تینوں ہمارے گھر میں تھے... لیکن اب نظر نہیں آ رہے... حالانکہ دروازے اندر سے بدستور بند ہیں... بیگم غائب ہیں... یہ سب کیا اس طرف اشارہ نہیں کر رہے کہ یہ سارا چکر ہپناٹزم کا ہے..."

"سوال یہ ہے کہ امی جان کہاں ہیں... وہ تینوں کہاں ہیں۔"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ کمرے سے نکل آئے... انہوں نے دیکھا... بیگم کامران مرزا باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی تھیں:

"کیا ہو گیا آپ لوگوں کو... کیوں حیران پریشان ہیں۔"

"حد ہو گئی... کہاں تھیں بیگم تم۔"

"میں یہیں تھی... باورچی خانے میں۔"

"کیا کہا..." یہ کہتے ہی وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے... جونہی اندر داخل ہوئے... دھک سے رہ گئے... اندر وہ تینوں گہری نیند میں نظر آئے... انہوں نے انہیں ہلایا جلایا... لیکن ان کی آنکھیں نہ کھلیں... آخر انہوں نے سب انسپکٹر شاہد کو فون کیا...

وہ جلد ہی اپنے ماتحتوں کے ساتھ پہنچ گیا... اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا... ساتھ ہی انہوں نے کہا:

"ان تینوں کو بھی ہسپتال پہنچا دو... پتا نہیں یہ بے ہوش

ہیں... یا کیا چکر ہے... اور ہاں! ان کی نگرانی بھی کی جائے گی۔''

''او کے سر... آپ کا مطلب ہے... انہیں حوالات میں نہیں رکھنا۔''

''نہیں... ہوش میں آنے کے بعد یہ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں... لیکن ان کی نگرانی کی جائے۔''

''بہت بہتر سر۔''

دوسرے دن سب انسپکٹر شاہد کا فون موصول ہوا... وہ حیرت زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا:

''سر! آج صبح سویرے ان تینوں کو ہوش آ گیا تھا... وہ اٹھ کر ہسپتال سے نکل آئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے... ہم نے تعاقب کیا... تعاقب کا یہ سلسلہ ساحل سمندر پر ختم ہوا ہے۔''

''اوہ اچھا... وہاں سے وہ کہاں گئے۔''

''ایک لانچ میں بیٹھ کر چل دیے... وہ ساحل بے آباد سا ہے... وہاں کوئی تفریحی لانچیں نہیں ہیں... لہٰذا ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔''

''اوہ... خیر... اس میں تمہارا کیا قصور... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا کہتی ہے۔''

''وہی... زہر کی کہانی۔''

''اچھی بات ہے... اس کی تصویر اخبارات کو دے دو... تاکہ اس کے لواحقین آجائیں... اور لاش لے جائیں۔''

''او کے سر۔''

''کون سا ساحل بتایا۔''

''وہاں کسی زمانے میں ایک ہوٹل ہوتا تھا... ہوٹل کا نام تھا... نیلاب۔ اب اسی نام سے یہ ساحل پہچانا جاتا ہے... یعنی نیلاب ساحل۔''

''شکریہ۔''

اب وہ ان کی طرف مڑے:

''ہمیں نیلاب ساحل جانا ہے۔''

''ہم تیار ہیں... ویسے اس کیس کا سر پیر سمجھ میں نہیں آیا۔''

''انوار فخری کو ختم کرنا ان لوگوں کے لیے کچھ مشکل کام

نہیں تھا... اسے جان بوجھ کر ہمارے گھر تک آنے دیا گیا
... شاید ان کے کسی ساتھی نے ہی اسے مشورہ دیا ہوگا کہ ان
حالات میں انسپکٹر کامران مرزا مدد کر سکتے ہیں... سو وہ ہمارے
دروازے پر پہنچ گیا... اصل میں تو انہیں ہمیں اپنے پیچھے لگانا
تھا... اور اب حالات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں
کسی جزیرے پر لے جانا چاہتے ہیں... تم دیکھ لوگے... سمندر
میں ہمیں خود بخود جزیرے کا راستہ نظر آجائے گا...''

''تب تو وہ جزیرہ ہمارے لیے موت کا جزیرہ بھی ثابت
ہو سکتا ہے۔''

''اور ہمارے لیے کون سا جزیرہ موت کا جزیرہ نہیں
ثابت ہوتا۔'' انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

''تو کیا... اس جزیرے پر انکل جمشید بھی ہوں گے
... اور شوکی برادرز بھی ہوں گے۔'' آفتاب پرجوش لہجے میں
بولا۔

''شاید... امکان تو یہی نظر آرہا ہے۔''

اور پھر وہ ساحل پر پہنچ گئے... ایک لانچ کا انہوں نے
پہلے ہی انتظام کر لیا تھا... لانچ کا ڈرائیور اس کے کنارے پر

کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا... وہ گاڑی سے اترے اور لانچ پر
سوار ہو گئے:

''کس طرف چلنا ہے سر۔''

''یہاں سے تو بالکل سیدھے ہی چلیں گے... کچھ آگے
جا کر کسی لانچ کے آثار نظر آئیں گے... اس وقت میں بتاؤں گا
کہ کس طرف چلنا ہے... ویسے ان اطراف میں آگے جا کر کیا
کوئی جزیرہ ہے۔''

''معلوم نہیں سر... اس لیے کہ میں اس طرف پہلے بھی
نہیں آیا۔''

''خیر کوئی بات نہیں... آپ چلیں۔''

لانچ چل پڑی... جلد ہی انہیں کچھ فاصلے پر ایک لانچ
جاتی نظر آئی... انسپکٹر کامران مرزا مسکرا دیے اور بولے:

''دیکھا... میں نے کیا کہا تھا... یہ لوگ تو خود ہمیں
اس جزیرے پر لے جائیں گے۔''

''جی ہاں! بالکل یہی بات ہے''

اب وہ اس لانچ کی طرف بڑھنے لگے... کافی دیر کے
سفر کے بعد بھی درمیانی فاصلہ کم نہ ہوسکا... اگلی لانچ بھی کافی

رفتار پر جا رہی تھی...

دو گھنٹے کے سفر کے بعد اگلی لانچ رکی نظر آئی اور بلن
وبالا درخت ایک جزیرے کا پتا دیتے نظر آئے:

''لو بھئی... جزیرہ آگیا۔''

''مطلب یہ کہ تھا جس کا انتظار، وہ شاہکار آگیا۔''
آفتاب بولا۔

وہ مسکرا دیے۔ پھر ان کی لانچ بھی جزیرے سے
آلگی... لانچ سے اتر کر وہ جزیرے کے ساحل پر پہنچے تو ان
کامران مرزا بہت زور سے اچھلے:

''ارے! یہ کیا؟''

''کیا ہوا انکل۔'' فرحت گھبرا گئی۔

''وہ دیکھو... اگلی لانچ ساحل پر کھڑی ہے... لیکن
اسے رسی سے باندھا نہیں گیا...''

''مطلب یہ کہ لانچ والوں کو اس پر بہت اعتبار ہے۔
یہ ادھر ادھر نہیں جائے گی۔'' آفتاب نے فوراً کہا۔

''یار چپ رہو... ہر وقت بے تکی نہ ہانکا کرو۔''
آصف جھلا اٹھا۔

''اچھا بھائی... تم تک کی ہانک لو۔'' اس نے منہ
بنایا۔

انہوں نے اپنی لانچ کو ایک درخت سے باندھ دیا...
اور حیرت زدہ سے آگے بڑھے... رسی کے بغیر لانچ اپنی جگہ
کھڑی تھی... جب کہ پانی میں زوردار لہریں بار بار آ رہی
تھیں... اسی لیے یہ بات ان کے لیے حیرت کی تھی...

جزیرے پر انہیں ہر طرف بہت بلند درخت نظر
آئے... وہ زیادہ گھنے نہیں تھے... لیکن بلند بہت تھے اور تھے
بھی بالکل سیدھے... ان پر ناریل جیسے بڑے بڑے پھل بھی
لگے نظر آئے:

''ان پھلوں کو کھا کر دیکھنا چاہیے۔'' آفتاب بڑبڑایا۔

''بھوک لگ رہی ہے کیا۔''

''جی ہاں! لگی کیا ہے... خوب چمک اٹھی ہے۔''

''فکر نہ کرو... لانچ میں کھانے کے لیے بہت کچھ
ہے۔''

''تو میں جا کر لے کیوں نہ آؤں۔'' آفتاب جلدی سے
بولا۔

وہ دور ہٹ آئے... اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے جلتی
لانچ کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک دھماکے سے وہ بھی اڑ گئی... اس
کے ٹکڑے بھی پانی پر جلتے نظر آئے:

''افسوس! ہماری لانچ کا ڈرائیور بھی مارا گیا... بے
چارہ...''

''اور... ابا جان۔'' آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔

''اور کیا؟''

''ہم واپس کیسے جائیں گے... کیا اتنا فاصلہ ہم تیر کر
طے کرسکیں گے۔'' اس نے کہا۔

''نہیں... لیکن ہم شہر سے مدد تو منگوا سکتے ہیں۔''
انہوں نے کہا اور اپنا موبائل نکال لیا... لیکن یہ دیکھ کر چونک
اٹھے... کہ موبائل کے سگنل بالکل غائب تھے...

''تم لوگ اپنے موبائل چیک کرو... سمیں تبدیل
کر کے دیکھو۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

ایسا بھی کیا گیا... لیکن سگنل پھر بھی نہ آئے:

''مطلب... یہ... کہ ہم شہر سے مدد نہیں منگا
سکتے... خیر آؤ... دیکھا جائے گا... تم لوگ بے شک اتنی دور

تک نہیں تیر سکو گے... لیکن میرا خیال ہے کہ میں تیر کر ساحل تک
جا سکتا ہوں... اور پھر مدد یہاں تک لے کر آنا کوئی مشکل کام
نہیں ہوگا۔''

''اللہ مالک ہے۔'' فرحت نے جلدی سے کہا۔

اب وہ جزیرے میں آگے کی طرف چل پڑے... ان
بلند و بالا درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے انہیں ایک
عجیب سا احساس ہو رہا تھا... لیکن وہ اس احساس کو سمجھ نہیں پا
رہے تھے... ''ویسے آفتاب! تم بال بال بچے... اگر چند منٹ
بعد تمہیں کھانے کی چیزوں کا خیال آتا تو تم بھی ڈرائیور کے
ساتھ سمندر کی لہروں پر سفر کر رہے ہوتے۔''

''ارے باپ رے۔'' اس کے منہ سے مارے خوف
کے نکلا۔

ایسے میں آصف کی نظریں جزیرے کی زمین پر پڑی
ایک چیز پر پڑی۔ وہ بہت زور سے اچھلا... اس کے منہ سے
نکلا:

''انکل! یہ دیکھیے۔''

☆☆☆☆☆

خوفناک بات

انہوں نے دیکھا، زمین پر آنکڑا پڑا ہوا تھا... وہ اس آنکڑے کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے... یہ ان کے ساتھی منور علی خان کا تھا۔ وہ اس کے گرد کھڑے ہو گئے... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے اسے اٹھا لیا... اس میں رسی نہیں تھی:

''ہے تو یہ منور علی خان ہی کا... اس کا مطلب ہے... وہ بھی اس جزیرے پر ہیں اور ہم سے پہلے پہنچ چکے ہیں... اب معلوم نہیں... انہیں یہاں لایا گیا ہے یا وہ خود پہنچے ہیں۔''

''مارے بے چینی کے میرا برا حال ہے... میں... میں رک نہیں سکتی۔'' یہ کہتے ہی فرحت دوڑ پڑی... ساتھ ہی اس نے چلا کر کہا:

''ابا جان!''

جواب میں منور علی خان کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی... ان کی بے چینی اور بے قراری بڑھ گئی، قدم تیز تیز اٹھنے لگے اور پھر ان کے قدم یک دم رک گئے... ان کے سامنے ایک بہت خوفناک منظر تھا... زمین پر انسانی قد سے اونچی صلیب گاڑی گئی تھی۔ یہ صلیب پیتل کی تھی... اس صلیب کے ساتھ منور علی خان کو لٹکایا گیا تھا... اور ایسا چمڑے کے تسموں کی مدد سے کیا گیا تھا... تسمے ان کی کمر کی طرف بند کیے گئے تھے... ان کے ہاتھ، پیر اور دھڑ اس طرح کسے گئے تھے کہ وہ ہل بھی نہ سکیں... پھر وہ ان کی طرف دوڑ پڑے... انہوں نے ان کی نبض دیکھی۔ بہت سست رفتار سے چل رہی تھی:

''اللہ کی مہربانی سے یہ زندہ ہیں۔'' انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

اور پھر انہوں نے پاگلوں کی طرح ان تسموں کو کھول ڈالا... باقی لوگ پہلے ہی انہیں پکڑے کھڑے تھے... تاکہ وہ دھڑام سے نیچے نہ گریں... جب تمام تسمے کھل گئے... تو انہوں نے انہیں آرام سے لٹا دیا... اب ان کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا... انہیں ہلایا جلایا گیا... آخر دس منٹ کی مسلسل

کوششوں کے بعد آخر انہوں نے آنکھیں کھول دیں... جونہی ان کی نظریں ان سب پر پڑیں... وہ کمزور آواز میں پکار اٹھے:

''باقیوں کی خبر لیں... جلدی۔''

''کیا مطلب... کیا باقی بھی...'' انسپکٹر کامران مرزا جملہ پورا نہیں کر پائے تھے کہ منور علی خان نے پھر کہا:

''ہاں ہاں... میری فکر چھوڑو... جلدی کرو بس مجھے کھانے کو کچھ دے دو۔''

اس وقت انہیں یاد آیا... آفتاب کی عقل مندی اس وقت بہت کارگر ثابت ہوئی تھی... اگر وہ لانچ سے کھانے پینے کی چیزیں نہ اٹھا لاتا تو اس وقت ان کا کیا بنتا... درختوں پر پھل تو تھے... لیکن انہیں معلوم نہیں تھا... وہ کھانے کے قابل ہیں یا نہیں...

انہوں نے چند چیزیں ان کے پاس رکھ دیں اور آگے کی طرف دوڑ پڑے... وہ اڑے جا رہے تھے کہ ایک اور صلیب ان کے راستے میں آ گئی... اس پر پروفیسر داؤد لٹکے ہوئے تھے:

''ارے باپ رے... میں انہیں کھولتا ہوں... تم

آگے دوڑ لگا دو... کھانے پینے کے چند پیکٹ یہاں گراتے جاؤ۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا اور آگے کی طرف دوڑ پڑے... اب انہیں اس حالت میں انسپکٹر جمشید نظر آئے... وہ ایک ایک کو کھولتے چلے گئے... پچھلے ساتھی ان سے آ کر ملتے چلے گئے... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ابھی آگے شوکی برادرز بھی ہیں۔''

''کیا!!!'' وہ چلائے۔

اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ کو کھولا جا چکا تھا... لیکن ابھی وہ بہت نڈھال تھے... وہ انہیں چھوڑ کر آگے دوڑ پڑے... ایک ایک کر کے انہیں شوکی برادرز بھی مل گئے...

دو گھنٹے بعد سب لوگ جزیرے کی زمین پر ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے... آخر انسپکٹر کامران مرزا نے گفتگو کرنے میں پہل کی:

''آخر آپ یہاں کیسے آ گئے۔''

''شوکی برادرز کی خاطر۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ ہمیں تفصیل سنائیں... تاکہ کچھ اندازہ ہو۔"

انہوں نے اپنی طرف پیش آنے والے واقعات سنا ڈالے... آخر میں جو فلم ان کے ہاتھ لگی تھی، اس میں انہوں نے بتایا:

"اس فلم میں ہمارے ملک کی ناکامی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا تھا... لیکن اس سے بھی پہلے شوکی برادرز کو دکھایا گیا تھا، ان کے بارے میں واضح طور پر دکھایا گیا تھا کہ وہ صلیبوں پر لٹکے ہوئے ہیں... اور ایک جزیرے میں قید ہیں... ہم فوراً ان کے شہر پہنچے... وہاں سے ان کے حالات معلوم کیے اور پھر اس ساحل پر آئے... جس کے ذریعے آپ لوگ جزیرے پر پہنچے تھے... ساحل پر لانچ موجود تھی... لیکن اس میں کوئی نہیں تھا... ہم اس پر سوار ہو گئے تو وہ خود بخود چل پڑی... ہم سمجھ گئے کہ ریموٹ کنٹرول ہے اور بہر حال یہ لوگ ہمیں اس جزیرے پر لے جانا چاہتے ہیں... ہم کرتے بھی کیا... اس طرح جزیرے پر آ گئے... لیکن یہاں ہمارے لیے جال تیار تھا... شوکی برادرز کی آڑ میں ان لوگوں نے ہمارے ہتھیار لے لیے اور ہمیں باندھ دیا..."

"چلیے خیر کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اب آپ اپنی طرف کی روداد سنائیں۔"

"ہوں۔" انہوں نے کہا اور تفصیل سنانے لگے... آخر ان کی کہانی بھی مکمل ہو گئی۔ ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"مطلب یہ ہوا کہ اب وہ ہماری طرف سے بے فکر ہیں اور من مانی کرنا چاہتے ہیں... اس غرض کے لیے ان گنت ہتھکنڈے آزما رہے ہیں... یہ پوری دنیا میں یہ کام کر رہے ہیں... لیکن پھر بھی ان لوگوں کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں ہم ان کے پروگرام کو درہم برہم نہ کر دیں... لہٰذا ہمیں اجزیرے میں لا پھینکا... لیکن وہ بھول گئے۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"جی... وہ کیا بھول گئے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ کہ لانچ نے جو فاصلہ دو گھنٹے میں طے کیا تھا... ہم وہ تیر کر طے کر سکتے ہیں... کم از کم میں، انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان... لہٰذا ہم میں سے دو چلے جائیں گے اور مدد

لے آئیں گے ... ایک باقی لوگوں کے ساتھ یہیں رہے گا ...
کیوں ... کیسا پروگرام ہے۔''

''پروگرام زبردست ہے ... ان کی امید کے خلاف
ہے ... لیکن، افسوس۔'' شوکی کی آواز ابھری۔

''لیکن افسوس کیا مطلب۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

''لیکن کا مطلب لیکن اور افسوس کا مطلب افسوس ہوتا
ہے۔'' شوکی نے بھی جواب میں اسے گھورا۔

''خیر تو ہے ... بہت اونچے اڑ رہے ہو ... ہم تم لوگوں
کے لیے دھکے کھائیں اور تم ہمیں آنکھیں دکھاؤ ... یہ دن بھی
دیکھنا تھے ...'' فاروق نے دردناک لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

''لیکن شوکی ... تم کہنے کیا لگے تھے۔'' انسپکٹر کامران
مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''ہم لوگوں نے ایک بات محسوس نہیں کی ... اور وہ
بات بہت خوفناک ہے۔'' وہ بولا۔

''خوفناک بات ... کیا مطلب؟'' کئی آوازیں
ابھریں۔

''دیکھو شوکی ... ہم لوگ خوفناک باتیں سن سن کر تھک
چکے ہیں ... مزید کوئی خوفناک بات سننے کی ہمت محسوس نہیں کر
رہے ...''

''مجبوری ہے ... ہمت کرنا ہوگی۔'' شوکی نے پریشانی
کے عالم میں کہا۔

''آخر ... تم ... کہنا کیا چاہتے ہو شوکی۔'' منور علی
خان نے قدرے جھلا کر کہا۔

''یہ کہ ... آپ میں سے دو حضرات تیر کر ساحل پر نہیں
جا سکیں گے۔''

''تو ٹھیک ہے ... ہم تینوں چلے جاتے ہیں۔'' انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''اچھا تو جو مطلب تھا ... وہ کیوں نہیں بتا دیتے ...
آفتاب نے بھنا کر کہا۔

''انکل آپ لوگوں کو کتنی دیر ہوگئی بھلا جزیرے پر آئے
ہوئے۔''

''کافی دیر ہوگئی ... کیوں۔''

''جب سے آپ آئے ہیں... اس وقت سے اب تک ہمارے ساحل سے جزیرے کا فاصلہ برابر بڑھ رہا ہے۔''

''کیا کہا... کیا!!!''

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

☆☆☆☆☆

متحرک جزیرہ

اب سب کے سب کبھی شوکی کو دیکھ رہے تھے تو کبھی جزیرے کو اور اس وقت تک وہ یہ بات محسوس کر چکے تھے کہ وہ جزیرہ ساکن نہیں تھا... برابر حرکت کر رہا تھا... اور اس کی حرکت بھی دوہری تھی ... یعنی ایک تو وہ خود گھوم رہا تھا... دوسرے ہوا کے رخ سفر بھی کر رہا تھا... اب انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ پہلے کہاں تھے اور اب کہاں ہیں... اپنے ساحل سے پہلے کی نسبت دور ہو چکے تھے یا نزدیک یا پھر کسی اور سمت میں بڑھ رہے تھے... چند لمحے تک ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''گھبرانے، پریشان ہونے اور ہمت ہارنے سے کچھ نہیں ہوگا... پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان درختوں پر جو پھل

لگے ہوئے ہیں، یہ کھانے کے قابل ہیں یا نہیں... تاکہ ہم کم از کم اس بات سے بے فکر ہو جائیں... ہمیں بھوک پیاس کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا... ورنہ پھر ہم اپنی خوراک کو بہت زیادہ احتیاط سے کام میں لائیں گے۔''

''بالکل ٹھیک...''

''اور دوسری بات جمشید...'' انہوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی... سب فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میرے پاس سمت بتانے کا ایک ننھا سا آلہ ہے... یہ آلہ کھلونا نما ہے... مجھے اغوا کرنے والوں نے اس آلے کو کھلونا خیال کیا تھا اور طنزیہ لہجے میں کہا تھا... اس کھلونے کو پروفیسر صاحب کی جیب میں ہی رہنے دو... بے چارے کھیل لیا کریں گے...''

''بہت خوب... تب تو ہم معلوم کر سکتے ہیں... ہمارا یہ متحرک جزیرہ کس طرف بڑھ رہا ہے۔''

''ہاں کیوں نہیں...''

انہوں نے جیب سے آلہ نکالا... اسے آن کیا اور ہتھیلی پر رکھ لیا... فوراً ہی انہوں نے کہا:

''جزیرہ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے... گویا مشرق سے دور ہوتا جا رہا ہے... اور ہمارے ساحل کا رخ مشرق میں ہے... گویا فاصلہ بڑھ رہا ہے۔''

''اوہو! ارے...'' ایسے میں فرزانہ اچھل پڑی۔

''جلدی کہو... کیا بات سوجھ گئی۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اب جب کہ ہمیں سمت معلوم ہو گئی ہے... تو ہم اس جزیرے کو عام تو خیال کر سکتے ہیں۔''

''صرف خیال کرنے سے کیا ہو جائے گا۔'' آفتاب نے جھلا کر کہا۔

''ہاں اور کیا... ہمارے پاس کون سا چپو ہیں... کہ اپنے ملک کی طرف اس کشتی کو کھینے لگ جائیں گے۔''

''تو چپو بنائے تو جا سکتے ہیں۔''

''اوہ کیوں نہیں... محمود کے جوتے کی ایڑی میں چاقو موجود ہے... اس سے بہت آسانی سے چپو تیار ہو سکتے ہیں۔''

''پہلے پھل دیکھ لیتے ہیں۔''

انہوں نے پھل چکھ کر دیکھے... وہ بہت کڑوے اور بد

مزہ تھے... مطلب یہ کہ کھائے نہیں جا سکتے تھے:

''اب ہمیں بہت احتیاط سے خوراک استعمال کرنا ہوگی۔''

''لیکن کیوں؟'' فرحت بول اٹھی۔

''لیکن کیوں کیا؟''

''مطلب یہ کہ ہم ایک بڑی مچھلی شکار کر سکتے ہیں... اور اسے بھون کر استعمال میں لا سکتے ہیں۔''

''اور آگ کیسے جلائیں گے۔''

''میرے پاس لائٹر ہے...'' منور علی خان نے بولے۔

''مزہ آگیا۔''

اب انہوں نے چپو بنانے کا کام شروع کر دیا... چند گھنٹوں میں بہت بڑے بڑے چپو تیار ہو گئے... پھر منور علی خان محمود کا چاقو لے کر پانی میں اتر گئے اور ایک بہت بڑی مچھلی شکار کر لائے... اسے بھونا گیا... مزے لے لے کر کھایا گیا... خوب سیر ہونے کے بعد انہوں نے چپو سنبھال لیے... اور دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے... ان کو چلانے لگے... پہلے

جزیرے کو بریک لگا... پھر اس کا رخ مشرق کی طرف ہو گیا... لیکن یہ کام بہت صبر آزما تھا... جزیرہ اب چیونٹی کی رفتار سے ان کے ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا... لیکن یہ بھی لازمی نہیں تھا کہ وہ اپنے ساحل پر ہی پہنچتے... وہ کسی اور ساحل پر بھی پہنچ سکتے تھے... بہرحال ان کا یہ سفر جیسا بھی تھا... جاری تو تھا... اور انہیں امید تو بندھ گئی تھی... ضرورت پڑتی تو مچھلی شکار کر لیتے اور کھا لیتے... پانی بہت کم استعمال کر رہے تھے...

اس طرح انہیں سات دن اور سات رات تک سفر کرنا پڑا... چپو چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ شل ہو گئے... اس قدر طویل حد تک چپو چلانے کا اتفاق انہیں پہلی بار ہوا تھا اور آخر آٹھویں دن انہیں ساحل کے آثار نظر آنے لگے... ان کے چہروں پر رونقیں آگئیں... پھر لمحہ بہ لمحہ وہ نزدیک ہوتے چلے گئے... ساحل بے آباد نہیں تھا... وہ غالباً کوئی تفریحی مقام تھا... لوگ گھوم پھر رہے تھے... ان کا جزیرہ انہیں نظر آیا تو وہ سب ساحل پر آگئے اور لگے انہیں گھورنے... تب انہیں معلوم ہوا... وہ اپنے ملک کے ساحل پر نہیں پہنچے تھے... تاہم وہ ساتھ والے ملک کے لوگ نظر آ رہے تھے... اور جونہی ساحل پر

موجود لوگوں کو اس بات کا احساس ہوا... ان میں سے کسی نے ساحلی پولیس کو خبردار کر دیا... وہاں فوراً ہی پولیس کافی تعداد میں آگئی اور ان کی طرف رائفلیں تان دی گئیں:

''آپ لوگ جو بھی ہیں... ہاتھ اوپر اٹھا کر ساحل پر آجائیں...'' انگریزی میں کہا گیا۔

''اچھی بات ہے۔''

وہ ساحل پر پہنچ گئے... انہیں فوراً گرفتار کر لیا گیا... اور پولیس اسٹیشن لے جایا گیا... وہاں ان کی کہانی سنی گئی... پھر وہاں بڑے بڑے آفیسر پہنچ گئے... انہوں نے بھی کہانی سنی... وہ ملک دراصل ان کی مغربی سرحد کا پڑوسی ملک تھا. اور دونوں ممالک کے تعلقات ان دنوں خراب تھے.. اس لیے پولیس آفیسرز کے چہروں پر سختی کے آثار تھے... آخر ان میں سے ایک نے کہا:

''میں نے اخبارات میں آپ لوگوں کی تصاویر دیکھی ہیں... آپ ضرور وہی ہیں... جو اپنے آپ کو بتا رہے ہیں... ہم پہلے حکام بالا سے بات کرتے ہیں... پھر آپ کے ملک کے ذمے دار لوگوں سے بات کی جائے گی... ظاہر ہے... اس

میں دو تین دن تک تو لگ جائیں گے... اس وقت تک آپ کو بہر حال حوالات میں رہنا پڑے گا۔''

''آپ چاہیں تو فوری طور پر ہمارے ملک سے بات ہو سکتی ہے... میں ابھی کرا دیتا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''ہم اس سطح کے آفیسر نہیں ہیں... یہ بات تو ظاہر ہے وزارتِ خارجہ تک جائے گی... ہمارے دفتر خارجہ کی بات آپ کے دفتر خارجہ سے ہو گی۔''

''لیکن کیوں... ہمارے ملک کے سفیر سے بھی تو اس سلسلے میں بات کی جا سکتی ہے۔''

''اوہ ہاں... یہ بات بھی ہے۔''

''بلکہ یہ زیادہ آسان ہے۔''

''ٹھیک ہے...''

اور پھر انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا... دو دن تک ان سے کسی نے کوئی بات نہیں کی... وہ لوگ بری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ آخر تیسرے دن ایک آفیسر وہاں آیا اور ادھر ادھر کے بے شمار سوالات پوچھ کر چلا گیا۔ تب انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اشاروں میں یہ خیال ظاہر

کیا... یہ لوگ ہمارے بارے میں کچھ کرنے کے سلسلے میں سنجیدہ نہیں ہیں... ہمیں خود ہی کچھ کرنا ہوگا:

''ٹھیک ہے... میں شروع کرتی ہوں۔''

فرزانہ نے کہا اور پھر اچانک اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکلی گئی... وہ تڑ سے گری اور بے ہوش گئی... ساتھ ہی ان سب نے شور مچا دیا... آخر تین کانسٹیبل دوڑ کر سلاخوں سے آ لگے:

''کیا بات ہے... کیسا شور ہے۔''

''بچی اچانک بے ہوش ہو گی ہے... مہربانی فرما کر کسی ڈاکٹر کو بلایا جائے۔''

''ٹھیک ہے... گھبرائیں نہیں۔''

وہ سلاخوں سے ہٹ گئے... تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر آتا نظر آیا... چار کانسٹیبل رائفلیں لیے حوالات کے سامنے کھڑے ہوگئے... پھر ڈاکٹر کے لیے دروازہ کھولا گیا... ڈاکٹر اندر داخل ہوا... انسپکٹر جمشید فوراً آگے بڑھے... اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بھی ڈاکٹر کے نزدیک آگئے اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے:

''ڈاکٹر صاحب... مہربانی فرما کر بچی کو دیکھیے... نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔''

''فکر نہ کریں۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے فرزانہ کا معائنہ شروع کر دیا... پھر اس نے اسے ایک انجکشن دیا... اور انتظار کرنے لگا... وہ سب بھی ٹکر ٹکر فرزانہ کو دیکھ رہے تھے... آخر اس نے آنکھیں کھول دیں...

''اللہ کا شکر ہے۔'' انسپکٹر جمشید چہک کر بولے۔

''مجھے کیا ہوا تھا۔''

''پتا نہیں... اچانک تمہارے منہ سے ایک چیخ نکلی اور پھر تم بے ہوش ہو گئیں۔''

''اس کا مطلب ہے... یہ پہلے بھی اس طرح بے ہوش نہیں ہوئیں۔''

''بے ہوش تو خیر ہوئیں ہیں... لیکن اس طرح نہیں۔'' انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

''خیر... میں نے اپنا کام کر دیا... میں چلتا ہوں۔''

اور پھر ڈاکٹر حوالات سے نکل گیا... کانسٹیبل نے تالا

لگا دیا... ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ڈاکٹر واپس آتا نظر آیا... اس کے چہرے پر قدرے گھبراہٹ تھی:

''مم... میرا موبائل تو یہاں نہیں ملا۔''

''موبائل...'' ان کے منہ سے نکلا... اور پھر وہ لگے ادھر ادھر دیکھنے۔ فرزانہ لیٹی ہوئی تھی... اسے جو ہلایا گیا تو اس کے کپڑوں کے نیچے موبائل مل گیا۔

''یہ رہا ڈاکٹر صاحب... غالباً جب آپ جھکے... اس وقت یہ آپ کی جیب سے گر گیا... بچی کے کپڑوں کے نیچے تھا۔''

''شکریہ... بہت بہت شکریہ۔''

اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور چلا گیا... اور وہ حوالات میں ادھر ادھر لیٹ گئے...

دو گھنٹے بعد کئی بڑے بڑے آفیسر حوالات کی طرف آتے نظر آئے... نزدیک آتے ہی وہ بولے:

''انہیں باہر نکالا جائے۔''

☆☆☆☆☆

تین اور ایک

وہ حوالات سے باہر نکلے تو آنے والوں نے ان سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا... ان میں سے ایک نے کہا:

''ہم بہت معذرت خواہ ہیں، آپ لوگوں کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی... پولیس آفیسر سے جواب طلبی کی جائے گی... اسے چاہیے تھا... فوری طور پر ہمیں اطلاع دیتا... آپ کے لیے جہاز تیار ہے... آپ تھوڑی دیر بعد اپنے ملک میں ہوں گے۔''

''بہت بہت شکریہ!'' وہ مسکرا دیے۔

اور پھر وہ واقعی سات گھنٹوں بعد اپنے گھر میں بیٹھے تھے... بیگمات ان کے لیے مزے مزے کی چیزیں پہلے ہی تیار کر چکی تھی اور وہ ان سے انصاف کرتے ہوئے باتیں کر رہے

تھے:

''سوال یہ ہے... ہم واپس تو آ گئے ہیں... لیکن کیا یہ کیس ختم ہو گیا ہے۔'' آفتاب کہہ رہا تھا۔

''پاگل ہوئے ہو... کیس ختم کیسے ہو گیا... کیس کے مجرم تو ابھی باقی ہیں... اپنی طرف سے ان لوگوں نے دراصل ہم سے چھٹکارا پا لیا ہے... اور بے فکری سے اپنا کام کر رہے ہوں گے۔'' فاروق بولا۔

''میں آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ڈائل کیے... علیک سلیک کے بعد انہوں نے پوچھا:

''ان تینوں کی طرف سے ملک میں کوئی چکر تو شروع نہیں ہوا۔''

''ہو چکا ہے جمشید...'' ان کا لہجہ فکر مند تھا۔

''جی... کیا مطلب؟''

''ہر روز شام پانچ بجے تمام چینلوں کے پروگرام اچانک بند ہو جاتے ہیں... اور وہ تینوں سکرین پر نظر آنے لگتے

ہیں... کوئی کتنا ہی کوئی اور چینل لگانے کی کوشش کرے... نہیں لگتا... اور پھر جب وہ تینوں ایک ساتھ بولتے ہیں... تو لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں... سچ تو یہ ہے کہ اب تو لوگ ان کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگے ہیں... اور ان کی باتیں غور سے سننے لگے ہیں۔''

''نن نہیں...'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

''اور وہ کہتے کیا ہیں۔''

''پہلے چند دن تو انہوں نے لوگوں کو لطیفے سنائے... دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات سنائے... پھر لوگ ان کے خوب دیوانے ہو گئے تو انہوں نے اپنا اصل کام شروع کر دیا۔'' آئی جی صاحب نے بتایا۔

''اور وہ کیا سر؟''

''یہ تبلیغ کہ اب اس ملک کا تقسیم ہو جانا ہی بہتر ہے... تم آج خود سن ہی لو گے... وہ کیا کہتے ہیں۔''

''جی بہتر! ہم سنیں گے... ہم آپ سے اس سلسلے میں بات بھی کریں گے... لیکن ان کا پروگرام سننے کے بعد... کیا

ان کا پروگرام روزانہ ایک ہی ہوتا ہے اور نیا پروگرام ہوتا ہے۔''

''پروگرام میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں، لیکن ... مرکزی باتیں وہی ہوتی ہیں۔''

''خیر پہلے ہم سن لیں... آپ کا شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں جمشید ... مجھے خوشی ہے ... تم بچ کر نکل آئے ... ویسے میں یہ تفصیل بھی سننا پسند کروں گا۔''

''جی بہتر! ملاقات پر سنا دیں گے۔''

اور پھر آئی جی صاحب نے فون بند کر دیا... اب انہیں پانچ بجنے کا انتظار تھا۔

. پھر ٹھیک پانچ بجے چینل پر جو پروگرام لگا ہوا تھا، وہ غائب ہو گیا۔ اور وہ تینوں نظر آنے لگے ... ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی ... پھر ان کے ہونٹ ہلے، ایک ساتھ تینوں کی آوازیں آنے لگیں:

''معزز سامعین ہم پروگرام کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہیں ... آپ اب تک جان چکے ہوں گے کہ تین ایک ہے ... اور ایک تین ہیں ... مطلب یہ کہ تینوں مل کر ایک طاقت

بنتے ہیں۔ یعنی تین ملک مل کر ایک بڑی طاقت .. ... جیسا کہ ہم آپ کو تین نظر آ رہے ہیں، لیکن ہم تین نہیں ہیں ... ہم ایک ہیں ... کیونکہ ہم ایک آواز ہو کر بات کر رہے ہیں ... اور یہ طاقت بھی تینوں کی مشترکہ طاقت ہے ... ورنہ دنیا میں کوئی اس طرح بول کر دکھا دے ... ہم جو بولتے ہیں ... تینوں بولتے ہیں ... ''

مزید تشریح سن لیں'' تین ملک یعنی کارملاس، پاک لینڈ اور شارجستان کو مٹا کر ایک نیا ملک بنایا جائے تو اس کی طاقت تمام دنیا کو ہلا کر رکھ دے گی۔ تین کی یہ طاقت آپس کے تمام اختلافات اور جنگوں کے خطرے کو بھی ہمیشہ کیلئے روک دے گی۔

دو گھنٹے بعد پھر حاضر ہونگے۔''

اس کے ساتھ ہی وہی چینل شروع ہو گیا... جو اس سے پہلے چل رہا تھا... یہ سب سن کر اور دیکھ کر وہ سکتے میں آ گئے ... کافی دیر تک ان سے کوئی بات بن نہ پڑی:

''یہ تو پاک لینڈ توڑنے کی نئی سازش نظر آتی ہے، آخر ہم اس پروگرام کو روک کیوں نہیں سکتے ... ٹی وی چینلوں

والے اس بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔''

''اس سوال کا جواب تو شاید وزیر اطلاعات صاحب ہی دے سکیں... ویسے پروفیسر صاحب! آپ کوئی خیال ظاہر کر سکتے ہیں۔''

''ہاں! کیوں نہیں... ان لوگوں نے ملک کے خفیہ مقام پر کوئی بہت طاقتور اسٹیشن قائم کیا ہے... اس کی طاقت ور ترین لہریں باقی چینلوں کو نگل جاتی ہیں...''

''بس تو پھر... ہم اس اسٹیشن کا سراغ لگائیں گے۔''

''لیکن اس سے کیا ہو گا جمشید... وہ کہیں اور کوئی اسٹیشن قائم کر لیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تب پھر آپ کیا کہتے ہیں۔''

''ان کی باتوں کا اثر زائل کرنا ہو گا... اس بارے میں ہمارے قومی رہنما کیا کہہ گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو بتانا ہو گا... چند ایسے سوالات تیار کرنا ہوں گے جن کے جوابات وہ نہ دے سکیں...''

''لیکن ہم پھر بھی پورے ملک سے ان کے اثرات دا

نہیں کر سکیں گے... میں یہ نہیں کہتا کہ ہم یہ کام نہیں کریں گے... ایسی بات نہیں، یہ کام ہم کریں گے... لیکن اصل کام وہی ہو گا... فوری طور پر ان کے اسٹیشن کا سراغ لگانا... اور جمشید اس سلسلے میں اساتذہ سے بھی کام لینا ہو گا... کیونکہ سوالات تو ہمیں وہی بتائیں گے نا۔'' پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

''بالکل ٹھیک پروفیسر صاحب... پہلے ہم آئی جی صاحب سے مل لیں...''

''جی نہیں... اس سے پہلے ان کا دو گھنٹے بعد کا پروگرام سن لینا چاہیے، دیکھیں تو سہی... اب وہ کیا کہتے ہیں۔''

ٹھیک دو گھنٹے بعد نشریات ایک بار پھر غائب ہو گئیں... اور تمام اسٹیشنوں سے وہ تینوں نظر آنے لگے... ان کے چہروں پر اب بھی وہی مسکراہٹ تھی... پھر ان کے ہونٹ ہلنے لگے... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بغور ان کے ہونٹوں کا جائزہ لینے لگے... ساتھ ہی وہ اس پروگرام کی ریکارڈنگ بھی کر رہے تھے... وہ تینوں کہہ رہے تھے:

اگر انسانی جسم کی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی ہم مادی طور پر تین اجزاء سے مل کر بنتے ہیں۔ ہڈی

، گوشت اور خون ۔ ان تینوں چیزوں کی اتحادی حالت کو ہم دیکھ سکتے ہیں ۔ان تینوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو جسم مکمل نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ تینوں کے ملنے سے ایک جسم بنا ہے۔اسی طرح کارملاس، پاک لینڈ اور شارجستان ... گویا یہ تین ایک ہیں ... اور یہ ایک تینوں ہیں...

اس تجویز کو قبول کرنے والے اپنے نام اخبارات میں دے دیں ... اپنے پتے بھی لکھوا دیں... تا کہ ان کے وظیفے جاری کر دیے جائیں، اس طرح آپ جان لیں گے کہ اس نئے ملک کی تجویز قبول کرنے میں کس قدر فائدے ہیں... اور صرف پاک لینڈ کا شہری رہنے میں کس قدر نقصانات ہیں... اب ہم کل پانچ بجے حاضر ہوں گے۔''

اور وہ غائب ہو گئے...

''یہ لوگ دولت کا لالچ بھی ساتھ دے رہے ہیں... ملک کی حالت اس وقت ایسی ہے کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں... مہنگائی اس قدر عروج پر پہنچ گئی ہے کہ نچلے طبقے کے

سامنے مشکلات کے پہاڑ ہیں... ایسے میں یہ لالچ ان کے لیے بہت دل کش ہے... جب کہ ہماری حکومت ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہی... ان حالات میں لوگ ان کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوں گے... آج کل اتنے محب وطن تو لوگ رہ نہیں گئے کہ حالات چاہے کچھ بھی ہوں... وطن کی محبت کو نہیں چھوڑیں گے... ایک وقت تھا جب لوگ جان دے دیتے تھے...... وطن تو ان کے لیے جان سے بھی قیمتی تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اب ایسے لوگ بالکل ہی نہیں ہیں... ضرور ہیں... لیکن کم... خیر بہر حال... پہلے ہم آئی جی صاحب سے ملاقات کریں گے۔''

''اور میں نے ایک بات نوٹ کی۔'' ایسے میں فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے... کہ ان حالات میں بھی تم نے کوئی بات نوٹ کر لی... چلو جلدی بتاؤ۔'' خان رحمان نے خو ش ہو کر کہا۔

اور جب اس نے وہ بات بتائی... تو سب کے سب بری طرح اچھل پڑے... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

خوفناک مسئلہ

آئی جی صاحب نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا... سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو انہوں نے کہا:

''اس وقت پورے ملک کے وہ عوام بہت پریشان ہیں جنہیں اپنے ملک سے محبت ہے... ان پروگراموں کی وجہ سے بہت سے شہری اب تک تین کے طوفان کا شکار ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے... کچھ ان کا لالچ بہت دل کش ہے... اس لیے غریب لوگ جن کے لیے گزر بسر سب سے خوفناک مسئلہ ہے، وہ اس طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں... سوال یہ ہے جمشید... اور کامران مرزا... ان حالات میں آپ لوگ کیا کریں گے... یا آپ کیا کر سکتے ہیں۔''

''جب تک ہم ان تک نہیں پہنچ جاتے اور ان کا تیا پانچا

نہیں کر دیتے... اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''لیکن بھئی... مجھے یہ کام آسان نظر نہیں آتا... آخر ان کا سراغ لگانا ہے...''

''جی ہاں! ہمیں ان کا سراغ لگانا ہے... اور انشاء اللہ ہم سراغ لگائیں گے۔'' انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

''اچھا خیر... یہ آپ کا کام ہے... آپ جانیں... کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ بتا دیں۔''

''ہم اس مہم پر بہت ہی خفیہ طریقے سے نکلنا چاہتے ہیں... ابھی تک ہم نے ادھر ادھر کسی سے رابطہ نہیں کیا... صرف آپ سے بات کی ہے... تاکہ وہ لوگ ہمارے بارے میں یہی خیال کرتے رہیں کہ ہم ابھی تک اس جزیرے پر ہی پھنسے ہوئے ہیں...''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

''اور ہم ہر طرح کا رابطہ ختم کر رہے ہیں... مطلب یہ کہ اس مہم کے دوران ہمارا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہوگا۔''

''اس طرح ہم لوگ الجھن محسوس کریں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے... لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے... کہ ہمارا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ رہے۔''

''اچھی بات ہے... ہم لوگ صبر اور شکر سے آپ لوگوں کی کامیابی کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔''

''جی ہاں! اسی کی ضرورت ہے۔''

اب وہ ان سے رخصت ہو کر گھر واپس آگئے... گھر سے رخصت ہوتے وقت بھی انہوں نے ایک خاص طریقہ اختیار کیا تھا اور واپس آتے وقت بھی... صدر دروازے سے نہ کوئی گھر سے نکلا تھا اور نہ آیا تھا... اس طرح انہیں اطمینان تھا کہ دشمنوں کو ان کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہوئی ہوگی... اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ وہ جزیرے پر ہی ہیں... اپنے شہر میں نہیں آسکے۔''

اس وقت بھی جب کہ رات کے بارہ بج رہے تھے... وہ اپنا پروگرام ترتیب دے رہے تھے... سارا پروگرام تحریری طور پر نوٹ کر لینے کے بعد وہ خفیہ طور پر باہر نکلے اور تجربہ گاہ پہنچے... تجربہ گاہ میں بھی وہ خفیہ راستے سے اندر داخل

ہوئے... اندر مکمل طور پر تاریکی تھی... انہوں نے موبائل کی ٹارچوں کے ذریعے اندر تک کا راستہ طے کیا... پھر پروفیسر داؤد نے اپنا کام شروع کیا...

دوسرے دن ان تین کا پروگرام شروع ہونے تک انہیں وہاں ٹھہرنا تھا... کیونکہ پروفیسر داؤد کا اصل کام چینل شروع ہونے کے بعد شروع ہونا تھا... انہیں اس سمت کا اندازہ کرنا تھا جس طرف سے اس چینل کا مرکز تھا... یہاں سے تو وہ صرف سمت کا اندازہ ہی لگا سکتے تھے... باقی کام اس مقام کو تلاش کرنے کا تھا اور وہی اصل کام تھا...

آخر پروگرام شروع ہوا... پروفیسر صاحب نے اپنے آلات آن کر دیے اور ان کے ذریعے سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے... آخر آدھ گھنٹے بعد انہوں نے کہا:

''جمشید! ہمیں شمال مشرق کی سمت میں سفر کرنا ہوگا۔''

''اور وہ سارا علاقہ پہاڑی ہے... گویا ان لوگوں نے اپنا اسٹیشن پہاڑوں میں کہیں بنایا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''ہاں بالکل... میں چند آلات ساتھ لے چلوں گا... وہ ہماری مدد کریں گے۔''

”ٹھیک ہے... جہاں بھی انہوں نے اپنا مرکز بنایا ہے ... ہمیں بہرحال وہاں جانا ہوگا... ورنہ یہ فتنہ تو ہمیں لے کر بیٹھ جائے گا... ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔“

”اللہ مدد کرنے والے ہیں۔“

اور پھر اسی رات وہ خفیہ راستے سے نکل کر شمالی مشرق کی سمت میں روانہ ہوئے... خان رحمان کی بڑی گاڑی کی نمبر پلیٹ تبدیل کر لی گئی تھی... اس کا رنگ بھی بدلا ہوا تھا... یہ سب کام اس گاڑی میں آٹومیٹک نظام کے تحت ہو جاتے تھے... انہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا... ان کا سفر کئی گھنٹے تک جاری رہا، تب کہیں جا کر انہیں پہاڑ نظر آنے لگے... لیکن یہ پہاڑ ابھی نظر آئے تھے... تھے بہت دور... وہ آگے بڑھتے رہے... پھر ناہموار راستہ شروع ہو گیا... اور کچھ اور آگے جا کر انہیں گاڑی سے اترنا پڑ گیا:

”کیا ہم درست سمت جا رہے ہیں پروفیسر صاحب؟“

”ہاں بالکل... میرے آلات بتا رہے ہیں... ان کا اسٹیشن اسی سمت میں ہے... لیکن راستہ بہت دشوار گزار نظر آ رہا ہے جمشید۔“

”کوئی بات نہیں انکل... دشوار گزار راستوں سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔“ فاروق نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

”شکریہ... تمہاری آواز تو سنائی دی...“ آفتاب بول اٹھا۔

”ہائیں... تو کیا میری آواز غائب ہو گئی تھی۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”اسے کہتے ہیں، سوال گندم جواب چنا۔“ محمود نے منہ بنایا۔

”کہتے ہوں گے ہمیں کیا...“ آصف نے بھی فوراً کہا۔

”پروفیسر انکل... ذرا جلدی سے بتا دیں... کس طرف چلنا ہے۔“ شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

”کیوں بھئی... کیا ہوا۔“

”میں محسوس کر رہا ہوں... یہ سفر ہمارے لیے آسان ثابت نہیں ہوگا... آگے خطرات منہ کھولے کھڑے ہیں۔“ شوکی نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”کیا مطلب... کیا نظر آ گیا ہے بھئی... کہیں تم نے عینک تو نہیں لگا لی۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”نہیں... میں اس نعمت سے فی الحال محروم ہوں۔“ شوکی مسکرایا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو شوکی۔“

”میں محسوس کر رہا ہوں... کسی وقت بھی ہم پر فائرنگ شروع ہو سکتی ہے۔“

”نن نہیں۔“ وہ ہکلائے۔

پھر ان سب نے چاروں طرف کا بغور جائزہ لیا... لیکن دور دور تک کوئی خطرہ نظر نہ آیا:

”نہیں شوکی... فی الحال آس پاس کوئی خطرہ نہیں... تمہیں وہم ہوا ہے۔“

”یہ اچھی بات ہے پھر... اللہ کرے آگے ہمیں کوئی خطرہ پیش نہ آئے۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”اور ہمارے حق میں بہتر بھی یہی ہے کہ انہیں ہمارے بارے میں بالکل کچھ معلوم نہ ہو۔“

”لیکن اگر ان لوگوں نے چاروں طرف نظریں رکھی

ہوئی ہیں... تب تو وہ ہماری گاڑی دیکھ چکے ہوں گے... اور اس صورت میں وہ لوگ ہوشیار ہو چکے ہیں... لہٰذا ہم سب خطرے میں ہو سکتے ہیں۔“ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

”میں ایسی بات نہیں سمجھتا... اور وہ اس لیے کہ انہیں تو ہمارے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ ہم لوگ اس جزیرے سے اپنے شہر میں آ گئے ہیں... وہ تو اس خیال میں مگن ہیں کہ ہم جزیرے پر موجود ہیں۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے... وہ مکمل طور پر بے خبر ہیں... اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔“

”مطلب یہ کہ شوکی تمہارا خیال حرفِ غلط کی طرح غلط ہے۔“ فاروق ہنسا۔

”کوئی بات نہیں... ایسا ہونا کوئی عجوبہ بات نہیں۔“ مکھن نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”عجوبہ بات پیش آنے میں کیا دیر لگتی ہے۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”ادھار کھا کر بیٹھے ہیں کیا۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے... ہماری مالی حالت کافی

بہتر ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''میرا خیال ہے... یہ آپس میں لڑنے والے ہیں اور غالباً پر تول چکے ہیں۔'' آصف نے شوخ آواز میں کہا۔

''جب کہ میرے خیال میں حالات ایسے نہیں کہ پر تولنے پڑیں۔''

''توبہ ہے تم لوگوں سے، بے چاروں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔''

''بالکل غلط... یہاں دور دور تک پانی نہیں... کیوں پروفیسر انکل۔'' فاروق تڑ سے بولا۔

''نن... ہاں...'' وہ بوکھلا کر بولے۔

''یہ آپ نے نہیں کہا یا ہاں کہا...''

''پپ پتا نہیں... ہاں اور بات دراصل یہ ہے کہ فاروق کے لفظ پانی بولنے سے یہ خوفناک بات معلوم ہوئی کہ مجھے شدید پیاس لگی ہے۔''

''ارے باپ رے...'' ان کے منہ سے نکلا۔

''ارے باپ رے کے بجائے... کہنا چاہیے تھا... اے اللہ ہمیں پانی دے...''

''خوب خوب...'' خان رحمان مسکرائے۔

''بلکہ بہت خوب...'' پروفیسر صاحب جلدی سے بولے۔

''یہ خوب خوب اور بہت خوب کس سلسلے میں۔''

''اس سلسلے میں کہ... ان کی باتیں شروع ہونے کے بعد دشوار گزار ترین راستہ آسانی سے گزر رہا ہے... اگر ان کی گفتگو جاری رہی۔ تو ہم بہت آسانی سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔''

''کیا... کیا واقعی...'' ہر ایک بے یقینی کے عالم میں بولا۔

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا... ابھی تجربہ کر لیتے ہیں۔''

''یہ... یہ بات تو خیر میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔'' انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

''اور آپ کونسی بات محسوس کر رہے ہیں۔''

''یہ کہ سفر بہت آسان سا ہو چلا ہے۔''

''تب پھر ان لوگوں کو کھلی چھٹی دے دینی چاہیے۔''

''ارے باپ رے۔'' آصف نے بوکھلا کر کہا۔

"حد ہو گئی ... بھئی کھلی چھٹی ملتے ہی بوکھلانے کی کیا ضرورت؟" محمود نے اسے گھورا۔

"تب پھر تم بتا دو... بوکھلانے کی ضرورت کس بات میں ہے۔" آصف مسکرایا۔

"یہ ... یہ تو خیر مجھے بھی معلوم نہیں۔" محمود بوکھلا کر بولا۔

"کیا معلوم نہیں۔" آصف نے اسے گھورا۔

"پپ پتہ نہیں..."

"سنا آپ نے ... یعنی اسے کہتے ہیں ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"میرے خیال میں تو ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا اسے نہیں کہتے۔" شوکی ہڑبڑایا۔

تب پھر اسے کیا کہتے ہیں۔"

"شاید اسے کہتے ہیں... کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"میں دماغ چلنے کی نہیں کوے کے چلنے کی بات کر رہا

ہوں۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

دھت تیرے کی ... بات کو کہاں سے کہاں لے گئے۔" فاروق نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا... لیکن ہاتھ جا کر لگا مکھن کو... وہ بلبلا اٹھا۔ اس نے تلملا کر کہا۔

"معلوم ہو گیا۔"

"کیا معلوم ہو گیا..."

"یہی کہ اندھوں میں کانا راجہ۔"

"یہ بھی بے موقع استعمال ہو گیا... معلوم ہوا... اس راستے میں ہم غلط محاورات بولنے پر تل گئے ہیں... یا پھر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"زبردستی گفتگو میں محاورات نہ گھسیڑو۔" محمود بول اٹھا۔

"محاورات خود اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے آ رہے ہیں ... زبردستی گفتگو میں شامل کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" فرحت اس کی طرف الٹ پڑی۔

"لگتا ہے اب یہ لڑ پڑیں گے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

”تم بھول رہے ہو خان رحمان۔“ منور علی خان ہنسے۔

”اور... اور میں کیا بھول رہا ہوں۔“

”وہی جو میں بھول رہا ہوں۔“ پروفیسر داؤد بولے۔

”ہائیں... یہ کیا بات ہو گئی۔“ انسپکٹر کامران مرزا حیران رہ گئے۔

”لگتا ہے... ہم واقعی کچھ بھول رہا ہو۔“

”منور علی خان بتائیں گے کہ ہم کیا بھول رہے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

”یہ کہ... ہم انہیں مکمل چھٹی دے چکے ہیں...“

”ارے باپ رے۔“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”واقعی... یہ تو ہے... اب کیا ہو سکتا ہے... اب تو تیر کمان سے نکل گیا۔“ انسپکٹر جمشید نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”اور کمان سے نکلا تیر بالکل اسی طرح واپس نہیں آتا جس طرح زبان سے نکلے الفاظ۔“

”خیر کوئی بات نہیں... ہم ان کی کھلی چھٹی سے فائدے میں ہی جا رہے ہیں... فاصلہ واقعی بہت تیزی سے طے ہو رہا ہے... اور ہو سکتا ہے... ہم بہت جلد اسٹیشن تک پہنچ جائیں

گے۔“ پروفیسر داؤد نے مطمئن انداز میں کہا۔

”لیکن انکل!... کیا وہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں لیں گے۔“

”نہیں... اس لیے کہ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ ہم اس جزیرے سے اتر کر اپنے شہر میں آ گئے ہیں... وہ پوری طرح مطمئن ہیں اور اس خیال میں ہیں کہ ہم اس جزیرے پر ہی قید ہیں۔“

”چلیے پھر تو ٹھیک ہے۔“

”دوسری بات، اگر وہ خبردار ہو بھی جائیں تو بھی کوئی بات نہیں... اب ہم ان سے ٹکرا کر ہی رہیں گے۔“

”پھر بھی... بہتر یہی رہے گا کہ ہم عین اس وقت وہاں پہنچیں... جب وہ چینل پر بات کر رہے ہوں...“

”اللہ کرے... ہم اسی وقت وہاں پہنچیں۔“

”آمین۔“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

ان کے قدم تیزی سے اٹھتے گئے... اب سب خاموش ہو گئے تھے... جیسے کسی کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ رہ گیا ہو... یہ بات محسوس کرتے ہی خان رحمان نے کہا:

''یہ بات تو اچھی نہیں۔''

''کک... کونسی بات انکل۔''

''یہ کہ تم مکمل چھٹی کا فائدہ نہ اٹھاؤ۔''

''انکل یہ آپ نے کیا کہا... ہم نے اب تک بہت فائدہ اٹھایا ہے۔''

''تو اب کیوں خاموش ہو گئے...'' وہ مسکرائے۔

''اوہ اچھا... پپ پتا نہیں... کیا بات ہے... یہ محترمہ خاموشی ہم میں کہاں سے آ ٹپکیں۔'' محمود نے بوکھلا کر کہا۔

''جیسے پکا ہوا آم ٹپک پڑتا ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

''ہاں بالکل ہمیں تو اس چھٹی سے ایسا ہی فائدہ اٹھانا چاہیے جیسے آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔''

''یار جمشید میں تو باز آیا۔'' پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔

''جی... جی... کیا کہا۔''

''مجھے بھوک بھی لگ گئی۔''

''خیر کوئی بات نہیں... کھانے کے لیے ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''افسوس! ان کے منہ سے نکلا۔''

''اس میں افسوس کہاں سے آ کودا۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

''افسوس مجھے اس وقت آموں کی بھوک لگ گئی ہے... اور میں جانتا ہوں خان رحمان... ہم اس وقت آم لے کر نہیں چلے۔''

''چلتے کیسے لے کر آموں کا موسم تو ختم ہو چکا ہے۔''

''ویسے آموں کے موسم کو اتنی جلدی نہیں گزر جانا چاہیے۔'' منور علی خان نے جلدی سے کہا۔

''اب ہم آموں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''تب پھر آپ بتا دیں کون سے پھل کے پیچھے پڑیں ہاتھ دھو کر۔'' آفتاب نے فوراً کہا۔

''ہے کوئی تک اس بات کی...''

''اوہو ارے... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔'' انہوں نے پروفیسر داؤد کی خوف میں ڈوبی آواز سنی:

☆☆☆☆☆

دھم دھم

وہ سب کے سب فوراً پروفیسر داؤد کی طرف مڑے:

''آپ نے کیا دیکھا ہے پروفیسر صاحب... مہربانی فرما کر جلدی سے ہم سب کو بھی دکھا دیں۔''

''میں نے ایک آئینے کی جھلک دیکھی ہے... اور اس کا مطلب ہے، میرا خیال غلط تھا، یہ لوگ بے فکر نہیں ہیں... پوری طرح ہوشیار ہیں... اور ہم ان کی نظر میں ہیں... یہ ہمیں بہت اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔''

''آئینے کی جھلک سے آپ نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا۔''

''آئینے کی جھلک کا مطلب ہے... انہوں نے یہاں اہم جگہوں پر آئینے لگا رکھے ہیں... ان کے ذریعے یہ لوگ اپنے اسٹیشن کی طرف بڑھنے والوں کو آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔''

''ارے باپ رے... آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''فاروق! یہ تم نے ڈرنا کب سے شروع کر دیا۔'' آفتاب نے منہ بنایا۔

''ایسے خطرناک ترین دشمنوں کے مقابلے میں ڈرنا ہی چاہیے... جو ہمیں متحرک جزیرے پر چھوڑ دیں۔''

''لیکن بھئی... جو ڈر گیا... سمجھ لو... مر گیا...'' آصف بولا۔

''خیر... میں ان معنوں میں نہیں ڈرا... میں ذرا مذاق مذاق میں ڈر رہا ہوں۔''

''اوہ اچھا... پھر تو ٹھیک ہے۔'' آصف نے فوراً کہا۔

''کیا ٹھیک ہے۔'' پروفیسر داؤد بے خیالی میں بولے۔

''یہ کہ مذاق مذاق میں ڈرنا بُرا نہیں... بلکہ اچھا ہے۔''

''اور اچھا کن معنوں میں ہے۔'' مکھن نے جلدی سے کہا۔

''حد ہوگئی... اب مجھے یہ بھی بتانا ہوگا کہ یہ اچھا کن معنوں میں ہے۔''

''ہاں! کیا حرج ہے... بتا دو لگے ہاتھوں... پھنس تو ہم گئے ہی ہیں۔''

عین اس وقت ان پر نہایت طاقت ور سرچ لائٹ کی روشنی پڑی... وہ گویا اس روشنی میں نہا گئے... اور پہاڑیوں پر جیسے دن نکل آیا:

''ہم تم لوگوں کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے دن کی روشنی میں آنکھوں کے سامنے موجود کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔'' آواز انہی تینوں کی تھی۔

''یہ بہت اچھی بات ہے... آپ نے دل خوش کر دیا۔'' شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

''کیا مطلب...'' دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا

''اس سے اچھی بات بھلا کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ہمیں اس طرح دیکھ رہے ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم بھی آپ کو اسی طرح دیکھ رہے ہوتے۔''

''اب تم لوگ آ ہی رہے ہو... دیکھ ہی لوگے۔''

اتارنے چلے تھے... یہ لمحات ان کے لیے ہولناک تھے... ایسے میں اچانک روشنی غائب ہوگئی:

''ارے! یہ کیا ہوا؟''

''شاید سرچ لائٹ میں کوئی نقص واقع ہوگیا ہے۔''

''اب ہم کیا کریں؟''

انتظار... یہ لوگ تو ہیں ہی بندھے ہوئے... ان کی طرف سے تو ہمیں کوئی خطرہ ہی نہیں... لہٰذا یہیں ٹھرتے ہیں... سرچ لائٹ وہاں پر موجود لوگ ٹھیک کر ہی رہے ہوگے:

''ٹھیک ہے...''

اور پھر سناٹا چھا گیا... کافی دیر گزر گئی... وادی اندھیرے میں ڈوبی رہی... آخر ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا:

''یہ کیا ہے جناب... لائٹ کیوں نہیں جل رہی... کیا ہم یہیں کھڑے رہیں رائفلیں لیے ہوئے۔''

''ہاں تم لوگ وہیں کھڑے رہو... لائٹ آن ہونے دو... اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔''

''او کے سر۔''

ایک بار پھر سناٹا چھا گیا... آخر ایک گھنٹے بعد روشنی ہو سکی... لیکن یہ روشنی سرچ لائٹ کی نہیں تھی... مختلف ٹارچوں کی تھی... جلد ہی ایک آدمی ان کی طرف آتا نظر آیا... اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی:

''سر کہہ رہے ہیں، اس روشنی کی مدد سے ان لوگوں پر فائر کھول دوں... سرچ لائٹ ٹھیک نہیں ہو سکتی... کل دن میں اسے ٹھیک کروایا جا سکے گا۔''

''او کے سر۔'' ان میں سے ایک نے کہا اور ٹارچ سنبھال لی اب جو اس نے ٹارچ کی روشنی اس نشیبی جگہ پر ڈالی جہاں انہیں گرایا گیا تھا تو وہ بہت زور سے اچھلا اور ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

''ارے باپ رے... یہ کیا ہوا۔''

''کیا ہوا۔'' باقی ساتھی ایک ساتھ بولے۔

''وہ لوگ غائب ہیں۔'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب وہ تو بندھے ہوئے تھے... رسیاں کیسے کھول سکتے تھے۔''

''رسیاں یہاں ضرور پڑی ہیں... ان سب کا کوئی پتا

نہیں۔''

''نن نہیں... وہ چلا اٹھے۔''

پھر اوپر کی طرف سے ان تینوں کی آوازیں سنائی دی:

''کیا بات ہے... کیسا شور ہے۔''

''وہ لوگ فرار ہو گئے۔''

''کیا... یہ... یہ کیسے ممکن ہے۔'' ان تینوں نے اچھل کر کہا۔

''اچھا خیر... ٹارچیں لے لو اور ان کی روشنی میں تلاش شروع کر دو۔''

''او کے۔''

''وہ نہتے ہیں تم پر فائر تو کر نہیں سکیں گے... البتہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''البتہ کیا سر۔''

''البتہ وہ پتھر وغیرہ کے ذریعے تم پر حملہ ضرور کر سکتے ہیں... یا گھات لگا کر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے... تم لوگوں کو پوری طرح سے ہوشیار رہنا ہو گا... ہم باقی ساتھیوں کو بھی تمہاری مدد کے لیے بھیج رہے ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ!''

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آگے بڑھنے لگے... راستہ انتہائی ناہموار تھا۔ ایسے میں ان کے سامنے ایک پانچ فٹ اونچی چٹان آگئی اور لمبائی کے رخ اس کا سلسلہ دائیں بائیں بہت دور چلا گیا تھا... گویا انہیں اس چٹان پر چڑھنا تھا... وہ ہاتھ رکھ رکھ کر اچھل کر اوپر چڑھنے لگے...

''سب آگئے...'' انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

''جی! آگئے۔''

''چلو پھر۔''

ان کے قدم آگے بڑھنے لگے... لائٹ ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اس نے انہیں پوری طرح اپنے حصار میں لے رکھا تھا... گویا وہ روشنی میں نہا رہے تھے... ان کے قدم اٹھتے چلے گئے... پھر ایک جگہ روشنی کا یہ ہالہ رک گیا اور ان تینوں کی آواز ابھری:

''بس تم لوگ پہنچ گئے... دائیں طرف ایک غار ہے... اس میں داخل ہو جاؤ۔ بہت آرام دہ غار ہے... اور تم لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے بڑی طرح بے چین ہے۔''

''بہت بہتر سر... آپ ان سب کو ذرا جلدی سے بھیج دیں۔''

''فکر نہ کرو... یہ روانہ ہو رہے ہیں... ان سب کے ہاتھوں میں ایک ایک ٹارچ ہے۔''

''بہت خوب۔''

اور پھر خاموشی چھا گئی... جلد ہی بیسیوں ٹارچوں کی روشنیاں ادھر ادھر حرکت کرتی نظر آئیں... پھر ایک طرف سے دھم دھم کی آوازیں سنائی دیں:

☆☆☆☆☆

''کک... کون بے چین ہے۔'' پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

''جی... غار... اور کون۔''

''اوہ اچھا غار... ہمارا انتظار کر رہا ہے... واہ... بہت خوب۔'' انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

وہ آگے بڑھے تو انہیں غار کا منہ صاف نظر آ گیا... وہ اس میں داخل ہو گئے... اس وقت غار کے منہ پر ایک بھاری پتھر آ گرا... انہوں نے دیکھا... پتھر غار کے منہ پر پوری طرح فٹ نہیں تھا... اوپر نیچے خلا نظر آئے... شاید یہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے رکھے گئے تھے... پھر جوں جوں وہ غار میں آگے بڑھنے لگے... ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا گیا... اندر بہت سے لوگ اپنا کام کرتے نظر آئے... اور وہ جدید سائنسی آلات پر کام کر رہے تھے... مزید آگے بڑھنے پر انہیں ٹی وی اسٹیشن جیسا ایک کیبن نظر آیا... وہ سمجھ گئے یہی ان کا اسٹیشن ہے... اسی جگہ کھڑے ہو کر وہ اپنا پروگرام نشر کرتے ہیں... انہیں غار کی دیواروں کے ساتھ ساتھ مسلح آدمی کھڑے نظر آئے... انہوں نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ وہ ان پر نظریں جمائے

ہوئے ہیں... گویا ان کی طرف وہ پوری طرح چوکس تھے...

پھر انہیں جدید اسلحے سے لیس لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور غار کے ایک حصے میں لا کر باندھ دیا... مسلح افراد ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں ایک آواز ابھری:

''آخر کیوں... انہیں یہاں کیوں لائے ہو۔''

''بس ایسے ہی سر... ہمارے شکار ہیں... میں نے سوچا انہیں اندر لے آئیں۔'' ان تینوں کی آواز ابھری۔

''یہ باہر رہتے تو کیا حرج تھا۔'' اسی آواز نے کہا۔

''اس صورت میں یہ یہاں کا سراغ لگا لیتے اور اپنے طور پر اندر آتے... تو معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا۔''

''ہوں خیر... اب جلد از جلد ان سے چھٹکارا حاصل کر لو... اور ہاں... تم نے تو بتایا تھا... انہیں متحرک جزیرے پر پہنچایا دیا گیا ہے اور یہ لوگ اب واپس نہیں آ سکتے۔''

''یہ پھر بھی آ گئے... ان کا یہی تو مسئلہ ہے۔''

''تو اس مسئلے سے نجات حاصل کر لو... غار سے باہر لے جا کر گولیاں مار دو۔''

''بہت بہتر سر۔'' تینوں کی آواز ابھری... پھر اس نے
حکم دیا:

''انہیں واپس باہر لے جاؤ... اور باقاعدہ نشانہ لے
لے کر گولیوں سے اڑا دو... ہم بہت جلد خوش خبری سننا چاہتے
ہیں۔''

''فکر نہ کریں سر... باندھ تو ہم نے انہیں پہلے ہی لیا
ہے... اب تو اتنا ہی کام ہونا ہے کہ سامنے والی ریڑھی پر لاد کر
باہر لے جانا ہے... لیکن یہ کام ایک بار میں نہیں ہوگا... ریڑھی
پر زیادہ سے زیادہ چار آدمی آسکیں گے۔''

''چلو کوئی بات نہیں، دو تین چکروں میں یہ کام پورا کر
لو۔'' تینوں نے کہا۔

اب انہیں ایک ریڑھی پر لے جایا گیا... غار کے منہ پر
سے پتھر اٹھا لیا گیا اور ریڑھی باہر نکل گئی... انہیں ایک گڑھے
میں پھینک دیا گیا... پھر ریڑھی چلی گئی... اور دوسری بار ان
کے ساتھیوں کو لے آئی... تین بار میں سب ساتھی
آ گئے... ساتھ ہی ان کی طرف رائفلیں تان دی گئیں، نشانہ لیا
جانے لگا... گویا وہ ان سب کو اسی حالت میں موت کے گھاٹ

''اب بولو... بولتے کیوں نہیں... آواز دو اپنے
بین الاقوامی آقاؤں کو...... جو تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں
اور ایک ہوتے ہوئے بھی تین ہیں۔ یعنی انشارجہ، بیگال اور
شارجستان کو...'' یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے
... جب وہ کچھ نہ بولے تو انہوں نے پھر کہا:

''اس کا مطلب ہے... یہ صرف تمہارا ڈراما تھا... تم
ایک نہیں ہو... تین ہو... تم میں سے بات تو ایک ہی کرتا
تھا... لیکن آواز باقی دو کے سینوں کے پاس بندھے آلے سے
نکلتی تھی... اور باقی دو صرف ہونٹ ہلاتے تھے... بولتے نہیں
تھے... اس طرح لوگ یہ سمجھتے تھے کہ تم تینوں بول رہے ہو، اور
اس چیز کو ہوا بنا کر تم نے مقبول ہونا شروع کر دیا۔ لوگ تمہاری
باتیں بہت توجہ سے سننے لگے... تم پر متوجہ ہو گئے... نہ جانے
اس چکر میں تم لوگوں نے کس قدر لوگوں کو گمراہ کیا ہے... انہیں
طرح طرح کے لالچ دیے ہیں... لیکن کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں
چڑھتی... اس کا پول کھل کر رہتا ہے... اب اس وقت دیکھ
لو... پورے ملک میں تم لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے... اور تمہاری
زبانیں گنگ ہیں... اب کہاں گئی تمہاری وہ آواز کیوں نہیں

بولتے تم... دکھاؤ نا معجزہ... سانپ سونگھ گیا تم لوگوں کو
... خیر... تم نہیں بولتے تو یہ لو... ہم تمہاری حقیقت دنیا کو
دکھائے دیتے ہیں... یہ دیکھو اے دنیا والو... ان دو کے
سینے کے پاس آلات نصب ہیں... ان کے ذریعے آواز باہر نکلتی
تھی... اور ہم سمجھتے تھے، یہ تینوں بول رہے ہیں جب کہ باقی دو
تو صرف ہونٹ ہلاتے تھے۔''

''ہاں! یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں... اگر ہماری
بات غلط ہو تو پھر یہ تینوں اب کیوں بات نہیں کرتے... یہ دیں
اپنے سچے ہونے کے دلائل... اگر انہوں نے منہ سے آواز نہ
نکالی تو پھر آپ جان ہی لیں گے کہ یہ کتنے بڑے دھوکے باز
ہیں۔''

اب پورے ملک کے لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی
طرف دیکھ رہے تھے... اب معاملہ کافی حد تک ان کی سمجھ میں
آ گیا تھا... آخر جب ان تینوں نے کچھ نہ کہا تو انسپکٹر جمشید نے
کچھ کہنے کیلئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایسے میں اچانک ایک
آواز ابھری:

''خبردار انسپکٹر جمشید... ہاتھ اوپر اٹھا دو... تم نے

ہمارا کام تو خراب کر ہی دیا ہے... زندہ ہم بھی تم لوگوں کو نہیں
چھوڑیں گے... تم بھول گئے... اور یہ خیال کر بیٹھے کہ ہم نے
اپنے شمالی ساتھی تمہاری طرف بھیج دیے ہیں... اور وہ سب کے
سب پہاڑیوں میں بھٹک رہے ہیں... لیکن بات اتنی نہیں
تھی... ہم نے یہاں بھی کچھ ساتھیوں کو پوشیدہ جگہوں پر بٹھا رکھا
تھا... بس انہیں حرکت میں آنے میں دیر لگ گئی... کاش تم
لوگوں کو باہر ہی روک لیا جاتا تو ہمارا یہ پروگرام جاری اور
ساری رہتا...''

انہوں نے سر ذرا سا گھما کر دیکھا... ان کی کن پٹی سے
ایک پستول کی ایک نالی لگی تھی... انہوں نے پرسکون آواز میں
کہا:

''کوئی بات نہیں پروفیسر ڈان... ہم اگر جان سے
چلے بھی گئے تو کیا ہے... تم لوگوں کا منصوبہ تو ہم نے خاک میں
ملا دیا نا... اب تم ہمارے شہریوں کو گمراہ تو نہیں کر سکو گے...
بلکہ اب تک جتنے لوگوں کو تم نے گمراہ کیا ہے... وہ بھی دوبارہ
پاک لینڈ کے دائرے میں آ جائیں گے... ان شاء اللہ!''

''اب تم یہاں سے نکلو... تا کہ ہم تم لوگوں کے کفن

دفن کا بندوبست کریں۔'' پروفیسر ڈان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اللہ مالک ہے...'' یہ کہتے ہوئے وہ مڑ گئے اور کیبن سے باہر نکل آئے... کیبن میں اس وقت اندھیرا کر دیا گیا... گویا اب عوام کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے...

وہ کیبن سے باہر آئے تو ان کے سب ساتھی ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نظر آئے... دراصل انہیں کیبن سے باہر رہ کر نگرانی کرنی تھی تاکہ انسپکٹر جمشید کی تقریر میں کوئی خلل نہ پڑے... اب انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ وہ سب باہر موجود تھے... نگرانی کر رہے تھے... پھر یہ کایا پلٹ کیسے گئی... انہوں نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا... وہ جواب میں مسکرا دیے... اور سمجھ گئے کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا:

''اب بتاؤ... تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔''

ان تین میں سے ایک نے کہا۔

''اب آواز تینوں کی نہیں آ رہی تھی۔

''تم لوگ بے وقوف ہو۔'' انسپکٹر جمشید پرسکون انداز میں مسکرا دیے۔

چینل

دھم دھم کی آوازوں کے بعد کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر اوپر سے پوچھا گیا:

''کیا بات ہے... تم لوگوں کی طرف خاموشی کیوں ہے... بھئی بات کرتے رہو نا... تاکہ صورت حال معلوم ہوتی رہے۔''

''ہم نے ان کے کم از کم تین ساتھیوں کو ڈھیر کر دیا ہے سر۔'' جواب میں آواز سنائی دی۔

''بہت خوب!''

''باقی لوگوں کو بہت جلد نشانہ بنا دیں گے۔'' آپ فکر نہ کریں سر۔''

''بس ٹھیک ہے... تم انہیں اوپر آنے کے قابل نہ

چھوڑنا۔"

"ایسا ہی ہوگا سر۔"

اور پھر کچھ دیر تک دھا چوکڑی کی آوازیں آتی رہیں... پھر اوپر سے کہا گیا:

"نشریات کا وقت ہو گیا ہے... اس سے پہلے پہلے ان کے انجام کی خبر چاہیے۔"

"چند منٹ تک انتظار کریں سر... ہم ان کی گنتی پوری کر رہے ہیں۔" آواز سنائی دی۔

"بہت خوب... شان دار... تم سب ایک بڑے انعام کے حق دار ہو گئے ہو۔"

"نشریات کا وقت ہو گیا ہے... اب تم سے بات نشریات کے بعد ہو گی۔"

"ٹھیک ہے سر۔"

O

پورے ملک کے چینل بند ہو چکے تھے... اور وہ تین نظر

آ رہے تھے۔ اس وقت تک ان تین کی شہرت پورے ملک میں پھیل چکی تھی... لوگوں کے لیے اصل حیرت کی بات یہ تھی کہ تین آدمی ایک آواز ہو کر کس طرح باتیں کر سکتے تھے... وہ اس بات کو ان کا معجزہ خیال کر رہے تھے... وہ اسی طرح پاک لینڈ کو مٹا کر شارجستان میں ضم کرنے کی تبلیغ کرتے تھے... آج وہ کہہ رہے تھے:

"پاک لینڈ بنا کر آپ کے ہاتھ تکلیفوں کے سوا اور کیا آیا۔ اگر آپ پاک لینڈ نہ بناتے تو آج دنیا کی ابھرتی ہوئی سپر پاور شارجستان کا حصہ ہوتے اور بیش بہا فائدے اٹھا رہے ہوتے۔"

ان کی یہ تقریر جاری تھی... ان الفاظ کے بعد وہ پھر تین ایک ہیں... اور ایک تین ہیں والی باتوں پر آ گئے... ان تینوں کے منہ سے تین آوازیں نکل رہی تھیں... لیکن الفاظ ایک تھے... اور یہ بات دنیا کے لیے عجوبہ بات تھی... لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں اور حیرت زدہ سے احساسات کے ساتھ ان کی تقریر سن رہے تھے... ایسے میں اچانک نہ جانے کیا ہوا... دو کی آواز بند ہو گئی... اور صرف ایک کے منہ سے آواز نکلتی سنائی دینے

لگی... باقی دو نے بھی یہ بات فوراً محسوس کر لی... انہوں نے بوکھلا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا... وہ بھی محسوس کر چکا تھا کہ گڑبڑ ہے... لہٰذا اس نے کہا:

"آج کی بات ختم... اب کل بات کریں گے۔"

"لیکن کیوں؟"

ایک اور بلند آواز سنائی دی... اس آواز نے نہ صرف ان تینوں کو... بلکہ تمام سننے والوں کو بھی چونکا دیا...

تینوں نے فوراً مڑ کر دیکھا... ان کے پیچھے سے نکل کر کوئی آگے آ رہا تھا... اب سب نے دیکھا... وہ انسپکٹر جمشید تھے... اور کہہ رہے تھے:

"تم لوگوں کا پول کھل چکا ہے... اور اگر یہ ڈراما بازی نہیں تھی... دھوکا بازی نہیں تھی... تو پھر تم تینوں ایک آواز میں بول کر دکھاؤ۔"

انسپکٹر جمشید کے خاموش ہونے پر بھی ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا... نکلتا بھی کیسے... اب تو صرف ایک کی آواز سنائی دیتی... انسپکٹر جمشید نے انہیں کوئی موقع نہ دیتے ہوئے جلدی سے کہا:

"کیا مطلب... ہم بے وقوف کیسے ہیں؟" ایک نے جھلا کر کہا۔

"ایسے کہ تم لوگوں کو اس طرح اچانک قابو پانے کا موقع ہم نے خود دیا ہے۔"

"اب تم یہ بات بنا رہے ہو۔"

"نہیں... ایسی تو بات نہیں... ہم نے خود تمہیں موقع دیا اور یہ موقع اس وقت دیا گیا... جب ہم اصل بات ساری دنیا کو بتا چکے تھے... تمہارے فریب سے لوگ آگاہ ہو چکے تھے... تم لوگوں کو اس دخل اندازی کا موقع اس لیے دیا گیا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں... تمہارے جرائم واقعی خطرناک ہیں... تا کہ لوگ تم سے بھرپور نفرت محسوس کریں... اب تمام کے تمام لوگوں کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہو چکی ہیں... اور ہاتھ تمہارے پھر بھی کچھ نہیں آئے گا... کیونکہ انسپکٹر کامران مرزا نے یہ قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا ہے... وہ دیکھو... موت تمہارے سروں پر آ چکی ہے۔"

اسی وقت انہوں نے خوفناک قسم کی سائیں سائیں اپنے سروں پر محسوس کی... وہ بوکھلا کر اوپر کی طرف دیکھنے لگے...

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید اور ان کے سب ساتھی زمین پر لوٹ لگا گئے، ورنہ دشمنوں کے ساتھ وہ بھی تو منور علی خان کے آنکڑے کی زد میں آجاتے۔ لیکن اس سے پہلے کہ آنکڑہ ان کے سر پر مصیبت بن کر ٹوٹتا... انہوں نے منور علی خان کی بلند چیخ سنی۔ ساتھ ہی آنکڑہ بہت دور کہیں گرتا نظر آیا... گویا چیخ کے ساتھ ہی آنکڑے کی رسی منور علی خان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

ان سب نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا... ان کے سامنے ایک خوفناک منظر تھا۔ وہ دھک سے رہ گئے... ان کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے... منور علی خان بت بنے کھڑے تھے... یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی جادو کے دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے بت بن گئے ہو... ان کے ساتھ انہیں پروفیسر ڈان کھڑا نظر آیا... پھر انہوں نے اس کی چہکتی آواز سنی:

''ایسے اسٹیشنوں کا کیا، یہ تو ہم اور بنا لیں گے ... ہمارے راستے کے اصل روڑے تو تم لوگ ہو... تم لوگوں کو راستے سے ہٹانا کام ہے... لہٰذا آج ہم یہ کام کر گزریں گے اور اس جگہ اسٹیشن پھر شروع ہو جائے گا۔''

''کیسے ہو جائے گا... ساری دنیا کے لوگوں نے یہ پروگرام دیکھا ہے۔ تمہاری چال بازیوں کا پول سارا کھل چکا ہے۔''

''اب تم سب میرے قابو میں ہو.. اوپر دیکھو۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''ہرگز نہ دیکھنا۔'' انسپکٹر جمشید چلائے۔

وہ خبردار ہو گئے... رک گئے... اور پروفیسر ڈان کی بجائے ان کی طرف دیکھنے لگے:

''کیوں ابا جان! کیا اس کی طرف دیکھنے سے ہم پتھر کے ہو جائیں گے۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''ایسی بات نہیں... یہ اپنی ہپناٹزم کی طاقت سے ہم سب کو بے بس کر دینا چاہتا ہے... لیکن جب تک ہم اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھیں گے... اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔''

''لیکن کب تک... میرے ساتھی تم سب کے ہاتھ باندھ لیں گے اور پھر میں تم سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تمہیں سلا دوں گا۔ اور تمہیں نیند کی حالت میں حکم دوں گا کہ جا کر دنیا

کے بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کر دو۔ اپنے آئی جی کو قتل کرو ... ڈی آئی جی کو قتل کرو ... اپنے فلاں فلاں آفیسر کو ختم کر دو ... اور پھر آخر میں خودکشی کر لو ... کہو ... کیسا پروگرام ہے۔'' یہ کہتا ہوا وہ ہنسا۔

''ابھی یہ سب زبانی باتیں ہیں ... عملی میدان میں آؤ گے تو دیکھیں گے۔''

فی الحال تو یہ دیکھو ... میں تمہارے حربے کا جواب جیب میں ڈال کر چلا تھا:

یہ کہ کر انہوں نے ایک عینک اپنی آنکھوں سے لگائی اور بولے:

''اس عینک کی وجہ سے تم میری آنکھوں میں جھانک ہی نہیں سکو گے ... کامران مرزا ... تم بھی اپنی عینک لگا لو ... تاکہ ہم دونوں اس کا مزاج پوچھ سکیں۔''

''نن ... نہیں۔'' اس کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

''ہاہا ... تم تو پہلے ہی خوفزدہ ہو گئے ... اور سمجھ لو۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی خوف زدہ آدمی مر جاتا ہے

وہ شکست کھا جاتا ہے ... تو ہم آ رہے ہیں۔ تمہاری طرف۔''

''پکڑ لو انہیں اور پیس ڈالو ... یہ ہم تک نہ آنے پائیں۔''

اس کے ساتھی اچھل اچھل کر ان کے سامنے آ گئے لیکن وہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کا راستہ نہ روک سکے ... وہ ان کے درمیان سے تیر کی طرح نکلتے چلے گئے ... ساتھ ہی محمود فرزانہ وغیرہ ان کے راستے میں آ گئے ... اور پھر وہ جگہ میدان جنگ نظر آنے لگی:

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ایک ایک قدم اٹھاتے پروفیسر ڈان کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر پروفیسر ہنسا۔ اس کی آواز پہاڑیوں میں گونج پیدا کرنے لگی:

''تم لوگوں کا کیا خیال یہ ہے ... میں صرف آنکھوں کی طاقت سے تمہیں شکست دے سکتا تھا ... اور چونکہ تم نے اس کا توڑ کر لیا ہے، اس لیے میں تم لوگوں کے لیے حلوہ ثابت ہو گا نہیں ... تم دیکھو گے ... پروفیسر ڈان ایک چٹان ہے ... چٹان ... ہاہاہا ...'' اس نے قہقہہ لگایا ...

''تب پھر اپنے آدمیوں سے کہو پہلے ہم میں اور تم میں

مقابلہ ہو جائے ... یہ سب اس مقابلے کو دیکھیں گے ... فتح اور شکست کا فیصلہ بھی اسی سے ہو جائے گا... کیا خیال ہے۔''

''ٹھیک ہے... ناصرتین!''

''یس سر! وہ ایک آواز میں بولے ... لیکن اب آوازیں الگ الگ تھیں۔

''تم اور تمہارے ماتحت اس جنگ کے مزے لوٹو ... ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد ان کے باقی ساتھیوں کو ختم کرنا ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا'' کئی آوازیں ابھریں۔

''تب پھر ہم بھی یہی کہتے ہیں۔'' محمود کی آواز سنائی دی۔

''کیا کہتے ہیں۔'' ناصرتین بولے۔

''یہی کہ پہلے بڑے حضرات لڑیں ... چھوٹوں کا کیا ہے... ہم تو آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں۔'' محمود نے جواب دیا۔

''حد ہوگئی... یہ بات ضرور ہی بتانی تھی۔'' فاروق نے تلملا کر کہا۔

''یار چپ رہو... دیکھتے نہیں... خونی مقابلہ شروع ہو رہا ہے۔'' خان رحمان بھنا اٹھے۔

''خ ... خونی مقابلہ... یہ ... تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''توبہ ہے تم سے... یار تم کوئی مصنف کیوں نہیں بن جاتے۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''دیکھا فرزانہ۔'' مجھے بھوکا مارنے پر تلا ہے۔''

''دیکھا نہیں... سنا ہے۔'' فرزانہ نے ہانک لگائی۔

عین اسی وقت پروفیسر ڈان نے ہاتھ میں پکڑی کوئی چیز انسپکٹر جمشید کے سر پر دے ماری۔ وہ اگرچہ پوری طرح خبردار تھے، لیکن ان سے اس لمحے چوک ہوگئی... پتھر ان کے سر پر تو نہ لگا لیکن کندھے پر پوری قوت سے لگا۔ وہ پہلے تو لڑکھڑائے پھر گر گئے:

''ہاہاہا... وہ مارا... ایک تو گیا... ناصرتین کیا تم میری مہارت کی داد نہیں دو گے... ثابت ہوا یا نہیں کہ میں آنکھوں کی طاقت کے بجائے ہاتھوں کی طاقت سے بھی کام لے سکتا ہو۔''

''اس میں شک نہیں سر۔''

ادھر ان سب پر سکتا طاری ہو گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس قدر اچانک انسپکٹر جمشید کو نشانہ بنا لے گا... انہوں نے بوکھلا کر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا... ان کے چہرے پر انہیں اطمینان ہی اطمینان نظر آیا... انہوں نے کہا:

''گھبرانے کی ضرورت نہیں... یہ پتھر پھینک کر پروفیسر ڈان نے اپنی عیاری اور مہارت ظاہر کر دی... اب ہم پوری طرح چوکس ہیں... ویسے محمود تم ذرا اپنے والد کی خبر لو... وہ ہوش میں تو ہیں۔''

''میری فکر نہ کریں... پروفیسر ڈان پر توجہ دیں... یہ انتہائی خطرناک ہے... یہ بات نہیں کہ میں نے اس کے پھینکے ہوئے پھر سے بچنے کی کوشش نہیں کی... کی تھی، لیکن میں بچ نہیں سکا... اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید کی کمزور آواز نے انہیں ڈھارس دی... اگرچہ آخری الفاظ کہتے ہوئے ان کی آواز بالکل ہی ڈوب گئی...

''ابا جان۔'' وہ چلائے۔

''مم... میں نے کہا نا... پروفیسر ڈان کو دیکھو...''

انہوں نے بہت ہی مدھم آواز میں کہا... ان کے دل بیٹھنے لگے... کوشش کے باوجود وہ خود کو سنبھال نہ سکے... ادھر انہوں نے گویا پروفیسر ڈان کو اڑ کر انسپکٹر کامران مرزا کی طرف آتے دیکھا... اور پھر وہ دھک سے رہ گئے... جونہی وہ انسپکٹر کامران مرزا سے ٹکرایا... وہ چاروں خانے چت گرے اور پھر اٹھ نہ سکے۔

''ہاہاہا... تم نے دیکھا... میں نے کس قدر آسانی سے ان کے دو بڑوں کو ڈھیر کر دیا اور یہ دونوں ان سب میں سب سے ماہر ہیں... باقی تو میرے سامنے جھاگ ثابت ہو گے... لو میں ان پر آ رہا ہوں... تم سب بس مزے لو۔''

وہ بجلی کی طرح حرکت میں آیا... انہوں نے پینترے بدلے، اس پر حملہ کرنے کے لیے اور اس سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے... لیکن انہیں پتا ہی نہ چلا کہ کب کس طرح وہ ان پر ٹوٹا... بس وہ ریت کی دیوار کی طرح گرتے چلے گئے... جلد ہی اس نے ہاتھ جھاڑے اور خوفناک لہجے میں بولا:

''لو دیکھ لو... میں نے ان سب کو لٹا دیا۔''

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ اس کے سر

پر ایک پتھر پوری قوت سے لگا۔ وہ تیورا کر گرا اور ساکت ہو گیا
... اب دھک سے رہ جانے کی باری ناصر تین اور اس کے
ساتھیوں کی تھی ... انسپکٹر جمشید نے انہیں اس کا موقع بھی نہ دیا
... پتھر مارتے چلے گئے ... جلد ہی ان کی آواز ابھری:
"پروفیسر ڈان یہ تھا تمہارے پتھر کا جواب
... تمہارے سر پر میں نے وہی پتھر مارا ہے ... جو تم نے مجھے
مارا تھا ... تم دھوکا کھا گئے ... پتھر مجھے لگا ضرور تھا ... لیکن
ضرب اتنی شدید نہیں تھی کہ میں حرکت ہی نہ کر سکتا ... اپنی آواز کو
میں نے جان بوجھ کر مردہ بنا لیا تھا۔ اب تم اپنا انجام دیکھو۔"

انہوں نے ان سب کو باندھ لیا۔

☆☆☆☆☆

پھر ان کی واپسی شہر کی طرف شروع ہوئی۔ وہ شہر میں
داخل ہوئے تو میڈیا اور پریس ہی نہیں ... شہر کے لوگ بھی ان
کے استقبال کے لیے آئے تھے ... وہ اگرچہ سب کے سب زخمی
تھے ... لیکن استقبال کے لیے آئے ہوئے اس قدر لوگوں کو دیکھ
کر بوکھلائے بغیر نہ رہ سکے:

"یہ ... ہم نے ایسا کیا کر دیا بھائیو کہ آپ لوگ اتنی

تعداد میں آ گئے۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور سب لوگ ہنسنے لگے ... پھر اخباری اور نیوز چینلز کی
دنیا نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ٹی وی نیوز چینلز پر ان کی
کامیاب واپسی اور شاندار کارنامے کے حوالے سے بریکنگ
نیوز نشر ہونا شروع ہو گئیں۔ اپنے اپنے گھروں تک پہنچنے میں
انہیں کئی گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ وزارت داخلہ کی بلٹ پروف
گاڑی میں اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھے تو سوائے
فاروق کے سب اونگھ رہے تھے ... کیونکہ وہ تو گاڑی میں بیٹھتے
ہی سو گیا تھا ... اور اس کے بلند و بانگ خراٹے باقی سب کو سونے
سے باز رکھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆